نصرت اللہ خان شیروانی کا سفرنامہ حج

ڈاکٹر مفتی محمد مشتاق تجاروی☆

شیروانی خاندان برصغیر ہند و پاک کے نہایت معزز اور صاحب وجاہ وثروت خانوادوں میں سے رہا ہے۔ خدا نے اس خاندان کو دنیاوی جاہ ومنصب کے علاوہ علم وفضل کی دنیا میں بھی بڑے مقامات نصیب فرمائے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی عبدالشاہد خاں شیروانی، مقتدی حسن خاں شیروانی، ہارون خاں شیروانی اور نواب رحمت اللہ خاں شیروانی جیسے اہل علم نے اس خانوادے کو علمی برکات سے متصف کیا اور مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی جیسے اکابر نے علم دین کے ساتھ تصوف وسلوک اور حقیقت و طریقت کے میدان میں ایک عالم کی رہنمائی کی۔ برطانوی ہندوستان میں اس خانوادے کی گراں قدر خدمات کے تذکرے کے بغیر برصغیر کی تاریخ نامکمل رہے گی۔ صوبہ جات متحدہ کی تاریخ تو خاص طور پر شیروانی خاندان کی تاریخ سے پوری طرح وابستہ ہے۔ ابھی ایسے علمی ذخائر زیور طبع سے آراستہ ہونے باقی ہیں جن سے اس پورے علاقے کی علمی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں پر تفصیلی روشنی پڑے گی۔ مثال کے طور پر نواب مزمل اللہ خاں کی ذاتی ڈائری جو انیسویں صدی کے لیے ایک معاصر دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

شیروانی خاندان کی آبادی زیادہ تر صوبہ جات متحدہ میں ہے۔ یہاں کے شہر اور قصبات میں اس خانوادے کے لوگ آباد رہے۔ بھیکم پور، حبیب گنج، سہاور، ڈھولنہ وغیرہ ان کی آبادی کے بڑے مراکز ہیں۔

علی گڑھ کے قریب حسن پور گنگیری بھی انہی اہم مقامات میں ہے جہاں شیروانی خانوادے آباد رہے۔ کنوبی کے ایک بااثر شروانی عزت خاں ابن رفعت خاں کے اخلاف نے حسن پور میں سکونت اختیار کی اس خاندان میں نصیر اللہ بن قطب علی خاں کے بیٹے محمد ادریس خاں تھے جن کے تین بیٹے نصرت اللہ خاں، نصیب اللہ خاں اور سردار بہادر خاں اور تین بیٹیاں جن قریشی بیگم، فاروقی بیگم اور امت الکبیر پیدا ہوئیں۔ ان میں سے حاجی نصرت اللہ خاں نے کوکم عمری ہی میں سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ آئندہ صفحات میں جس سفرنامہ حج کا بیان ہے وہ انہی نصرت اللہ خاں کا لکھا ہوا ہے۔ نصرت اللہ خاں کے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک سٹیڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

بھتیجے قطب العابدین خاں شروانی جو قطب میاں کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے از راہ علم دوستی سفر نامہ کا قلمی نسخہ راقم الحروف کو عنایت فرمایا میں ان کا شکر گذار ہوں۔ شروانی خاندان میں وجاہت اور وضعداری کی روایت رہی ہے اور قطب میاں کو ان دونوں خوبیوں سے پورا ملا ہے۔

حاجی نصرت اللہ خاں شروانی ۱۹۰۲ء میں حسن پور میں پیدا ہوئے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ اپنے وقت کے اچھے طالب علموں میں شمار ہوتے تھے، بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور درجہ اول کے انعام کے مستحق قرار پائے۔ انعام میں ان کو الفوز الکبیر کا اردو ترجمہ بھی ملا تھا۔ یہ نسخہ اس وقت راقم الحروف کے پاس ہے اور اس پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پہلے ناظم دینیات عبداللہ انصاری کے دستخط بھی موجود ہیں۔

نصرت اللہ خاں شروانی ۱۹۲۶ میں جب ان کی عمر صرف ۲۴ سال تھی اپنی والدہ کے ہمراہ سفر حج پر گئے۔ اپنے سفر کے کچھ احوال انھوں نے ایک ڈائری کی مشکل میں محفوظ کر لیے تھے۔

نصرت اللہ خاں شروانی کی عملی زندگی بہت سادہ رہی۔ پہلے وہ اپنے خالو نواب مزمل اللہ خاں شروانی کے ساتھ رہے۔ بعد میں انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی اور تحصیل دار کی حیثیت سے ۱۹۵۹ء میں ریٹائرڈ ہو گئے۔ آخر میں ان کا تقرر سکندرہ تحصیل میں تھا۔ ان کے ریٹائرمنٹ کے وقت سکندرہ کی تحصیل کے ایک کلرک نروتم سنگھ نے ایک منظوم خراج عقیدت پیش کیا جس میں ان کی ذاتی خوبیوں کا مرقع بھی آجاتا ہے اس لیے اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بروقت: Retirement نصرت اللہ خاں صاحب تحصیلدار سکندر آباد

ضلع بلند شہر، تاریخ 22 نومبر 1959ء

ہوا کیا وجہ آخر ہچکیاں روکے نہیں رکتیں
اجازت مل اگر جاتی تو آنکھیں خوب ہی روتیں

پیے جا اشک آنکھوں میں شرافت بس اسی میں ہے
محبت رونے دھونے سے کبھی ثابت نہیں ہوتیں

کیا ثابت کبھی بھی مرد گھبرایا نہیں کرتے
مقابل موت ہو پیچھے قدم لایا نہیں کرتے

نظر میں بس سوائے منزلِ مقصود ہوتی ہے
کبھی صبر و سکوں سے بیٹھ ستایا نہیں کرتے

تکیا خار ہوں طوفان ہو وحشت گرجتی ہو
ڈگانے راہِ ایماں سے اگر رحمت برستی ہو

زمانہ ہر جگہ ہر گام پر الٹا نظر آئے
کبھی بھی راہِ ایماں سے وہ کترایا نہیں کرتے

ہزاروں باغباں دیکھی مگر ایسا نہیں دیکھا
کیا برتاؤں جڑ سے تا پھلک یکساں یقیں دیکھا

وطیرہ سادگی تھا بے مثل ہم نے نہیں دیکھا
بڑا حاکم ہمیشہ ٹھاٹ پر گھستا جبیں دیکھا

کبھی بڑھ کر نہیں معمول سے کپڑے نظر آئے
ہمیشہ پیرہن پیوند کی آغوش میں دیکھا

سمجھتے تھے سوا وہ بال بچوں سے کہیں ہم کو
چلے خوشتر طریقہ سے بچائے آپ کشتی کو

مصیبت لاکھ آئیں ہاتھ سے ایماں نہیں چھوڑا
سدا ہنستے ہنساتے صاف لائے کاٹ ہستی کو

کیا گھیرا گھٹائیں آفتوں کی چھا گئیں ان پر ادھر تھا کام سرکاری ادھر بے تابیاں دل پر
مگر یکتا دلیری سے کیا تھا سامنا سب کا کبھی افسردگی کا نام تک دیکھا نہیں رخ پر
لگا وہ داغ منھ پر اب ہمارے چھٹ نہیں سکتا خطہ تقدیر این یو خاں کسی سے مٹ نہیں سکتا
جدائی اور وہ بھی اس گھڑی جب پاک کشتی کا کوئی پرزہ سہارے کے بلا ٹک چل نہیں سکتا

ازطرف نروتم سنگھ پاک کلکشن کلرک تحصیل سکندرآباد
ضلع بلند شہر

نصرت اللہ شروانی ذاتی طور پر نہایت متقی اور نیک انسان تھے۔ ان میں بہترین انتظامی صلاحیتیں تھیں، حقوق کی بڑی پاسداری کرتے تھے، رشوت کا ان کے یہاں گزر ہی نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں اپنے ملازمین سے بھی بہت سختی کیا کرتے تھے۔ مولانا شاہ وصی اللہ سے اصلاحی تعلق تھا۔ گاہے بگاہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

نصرت اللہ خاں شروانی نے دوشادیاں کیں۔ پہلا نکاح آمنہ خاتون بنت نورالعابدین خاں سے کیا۔ ان سے ایک بیٹی امت النصیر عرف روشن جہاں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی سہاور کے ڈاکٹر کلیم الرحمٰن خاں عرف محبوب میاں سے ہوئی تھی وہ ڈاکٹر ہیں اور میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ڈاکٹر کلیم الرحمٰن نہایت حلیم الطبع اور وضعداری کا پیکر ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سے اپنی اہلیہ کے ساتھ میڈیکل روڈ علی گڑھ میں مقیم ہیں۔

نصرت اللہ خاں شروانی نے دوسرا نکاح سہاور کی زینہ بیگم سے کیا تھا۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

نصرت اللہ خاں شروانی کے داماد ڈاکٹر کلیم الرحمٰن بارہ بنکی کے بڑا گاؤں اسپتال میں تھے۔ ایک مرتبہ نصرت اللہ ان سے ملنے کے لیے گئے ہوئے تھے، وہیں ۱۹۷۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

اس سفرنامہ میں حج کے لیے ضروری سامان، سفر کی ضروری تیاری، جہازوں پر سوار ہونا، مختلف درجات کے مسافروں کا حال، جہاز پر ضروری ساز وسامان کا حصول، مختلف قسم کے لوگ، ان کے مباحثے، خوش گپیاں، سیاسی بحث، سعودی عرب میں سرائے، سڑک، لاری، شتربان، بازار اور مسجدوں کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

اتفاق ہے کہ اسی سال مولانا محمد علی جوہر اور سید سلیمان ندوی بھی حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ۷ جون کو موتمر اسلامی کا اجلاس ہوا اور اس سفرنامہ کی اطلاع کے مطابق شروع میں اس کے پہلے صدر مولانا سید سلیمان ندوی مقرر ہوئے تھے۔ لیکن گفتگو مختلف مراحل سے گزری اور آخر کار سید سلیمان ندوی کو نائب صدر اور ایک عرب جن کا نام عدنان لکھا ہے، کو صدر کے طور پر مقرر کیا گیا۔ توفیق پاشا سکریٹری بنے۔ اس موقع پر مولانا محمد علی جوہر نے مراکشی ڈیلی گیشن کے صدر کو موتمر کا صدر بنانے کی تجویز

رکھی تھی لیکن اس پر مخالفت ہوگئی۔

نصرت اللہ خاں شروانی کوئی باضابطہ مصنف نہیں تھے۔ان کے قلم کی واحد دستیاب کاوش یہ سفرنامہ ہے اور یہ بھی ایک ڈائری کی طرح لکھا ہوا ہے۔زبان و بیان ناپختہ ہے لیکن انداز بیان کی بے ساختگی اور سادہ اسلوب قاری کو اپنے ساتھ جوڑے رکھتا ہے۔جس دور کا یہ سفرنامہ ہے اس دور میں اور بھی بہت سے سفرنامے لکھے گئے۔نواب حبیب الرحمٰن خاں نے بھی اسی سال سفرحج کیا تھا۔ان کا سفرنامہ حج مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔اس دور کی کچھ معلومات دوسرے سفرناموں میں بھی مل جاتی ہیں۔اس لیے ان معلومات کے لیے تو اس سفرنامے کی حیثیت ایک معاصر شہادت کی ہے لیکن ایک پہلو ایسا ہے جس کے اعتبار سے یہ سفرنامہ اردو کے تمام حج کے سفرناموں پر قائق ہے۔اور وہ ہے حج کے یومیہ اخراجات کا اندراج۔اس سفرنامہ میں انھوں نے روزانہ کے اخراجات بہت تفصیل سے لکھے ہیں اور کسی سفرنامے میں یہ معلومات نہیں ملتیں۔کرایہ کتنا ہے،حمال کی اجرت،شتربان کی اجرت،دودھ،دہی،لکڑی،چائے،انڈا، گوشت وغیرہ کی قیمتوں کا تفصیلی بیان اس سفرنامے کی ندرت ہے۔یہ سفرنامہ نہ صرف حج کے سفرناموں میں غیرمعمولی اضافہ ہے بلکہ معاشی تبدیلیوں،قیمتوں کے اضافے اور مالیات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بھی اس میں گراں قدر معلومات ہیں۔

یہ سفرنامہ ایک رجسٹر پر لکھا ہوا ہے مرورایام سے اس رجسٹر کے اوراق بوسیدہ ہوگئے اور بعض جگہ عبارت اتنی مغشوش ہوگئی کہ اس کا پڑھنا مشکل ہوگیا ہے۔بعض جگہ سے اوراق ٹوٹ بھی گئے۔پھر بھی بنیادی معلومات پوری موجود ہیں۔

نصرت اللہ خاں شروانی نے یہ سفر۲۴اپریل ۱۹۲۶ میں شروع کیا تھا اور ۲۹ اگست ۱۹۲۶ میں واپسی ہوئی۔واپسی کے راستہ میں جدہ تک کے احوال لکھے ہیں۔جدہ کا عنوان ڈال کر اوراق سادہ چھوڑ دیے۔غالباً حسب فرصت اس کی تکمیل کرنا چاہ رہے ہوں گے لیکن زندگی کی مصروفیات نے ان کو شاید وہ فرصت نہیں دی کہ وہ اس کی تکمیل کر پاتے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حالات سفرحجاز برائے حج وزیارت مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ ۱۳۴۴ھ

۲۰ جون

میں اور والدہ صاحبہ ۲۴ اپریل ۱۹۲۶ء کو حسن پور سے روانہ ہوئے۔ہمشیرہ عزیزہ خورد (امت الکبیر بیگم) ہمراہ والدہ صاحبہ دوپہر کو ہی ڈہولنہ کو روانہ ہوگئیں۔میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے شام کو گیا۔ میں جب شام کو چلا تو قریباً تمام حسن پور کے اعزہ رخصت کرنے باہر تک آئے۔میں کن الفاظ سے ان کا شکریہ ادا کروں خاص کر اپنے بزرگوں کا۔۵ اپریل کو ڈہولنہ سے سہاور کو روانہ ہوئے۔اسی دن ممانی جان

سہاور سے واپس آئیں۔ سہاور سے یکم مئی کو روانہ ہوئے۔ تمام اعزہ اقرباء سہاور تھے۔ (چھوٹے) شعیب خان صاحب و ماموں جی احمد خان، ابا میاں متھرا تک آئے۔ خالو جی بمبئی تک پہنچانے آئے۔ ممتاز علی کو پہلے سے روانہ کر دیا گیا ہے تا کہ مکان کر لیں۔ باوجود اس کے کہ ایک ہفتہ پیشر لکھ دیا تھا کہ سیکنڈ کلاس ریزرو ہو جائے مگر نہ ہوا۔ یہ معلوم ہوا کہ دہلی سے آسانی سے ہو جاتا ہے لیکن قاضی A.S.M. کی کوشش سے گاڑی وسیکنڈ کلاس زنانہ مل گیا ورنہ ٹاپتے ہی رہتے۔ راستہ میں خالو جی نے پنکھا اپنی طرف متواتر رکھا اور اپنی برت پر کسی کو نہیں آنے دیتے تھے۔ اس پر مسافروں نے برا مانا۔ مگر راستہ نہایت ہی بے مزہ گزرا۔ اس واسطے کہ تمام اشجار و پہاڑ خشک پڑے تھے۔ دریا تک خشک تھے۔ سامان بہت زیادہ ہے لیکن فضول۔ کوئی چیز سلیقے سے نہیں ہے۔ کوئی چیز کہیں ہے اور کوئی کہیں۔ بمبئی پہنچ کر چوبے بنارسی داس کے مکان پر کھیت واڑی پوسٹ آفس نمبر ۴ Main Road, 10th lane مین روڈ پر اوپر چوتھے منزل پر ٹھہرے۔ یہ ہندوؤں کا محلّہ ہے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ سامان زیادہ ہے مگر کارآمد کم ہے۔ ہمارے ساتھ والدہ صاحبہ و خالہ جی صاحبہ، شکیلا و منفت خاں، حفیظ سہاوری و حسیب اللہ حجام سہاوری ہمراہ تھیں۔ نئی سہاور جنہوں نے جینا بیگم کو کھلایا ہے ساتھ ہیں۔ مگر اپنے روپے سے اور حاجی محبوب بخش صاحب گنج بھی اسی طرح ہمراہ ہیں۔

آٹا ایک بورا، چاول ایک من، دالی مونگ و سالم، برتن، بارا بکس، شکر ندارد، چائے ندارد، گھی کے پیپے سرے موبند۔ نہ آلو اور نہ کسی قسم کی دالیں۔ خالو جی نے روپیہ خوب خرچ کیا ہے مگر ناتجربہ کاری بہت۔ سامان بمبئی سے واپس ہوا ہے مگر اس پر بھی زیادہ ہے۔ جہاز پر معلوم ہوتا ہے کہ کون کون سی چیزیں ہم کو لانا چاہئے تھیں۔ خیر، ہر ایک سیکنڈ کلاس یا تھرڈ کلاس کے پاس ایک معمولی بستر و ایک بکس کپڑوں کا، آٹا، چاول، کوئلہ، شکر، چائے، چائے کی تام چینی کی پیالی، انڈے یا مرغی (؟) دالیں۔ آلو، مسالہ جات، پیپے، موم بتی، دیا سلائی یہ ہونا لازمی ہیں۔ پانچ مئی کی دو بجے ہم جہاز پر آئے۔ چار مئی کو سامان سوائے بستروں کے سب جہاز پر رکھ دیا گیا۔ یہاں پر اب یہ طریقہ ہے کہ اول درجہ وسیکنڈ کلاس چھوڑ کر سب تھرڈ ہوتا ہے۔ اوپر ڈیک آرام کا ہے۔ مگر چونکہ روز دھلتا ہے، لہٰذا بہت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ یعنی سامان کا اٹھانا۔ بستر وغیرہ بھاڑے میں دیئے جاتے ہیں اور ٹیکہ لگوانا ضروری ہے۔ جہاز پر تھرڈ کلاس والوں کا یہ طریقہ ہے کہ جہاں کسی نے اپنا بوریا بستر جما دیا، بس اسی کا ہو گیا۔ شام کو پانچ بجے جہاز نے لنگر اٹھایا۔ خالو جی پہنچانے آئے جہاز پر۔ اور چلتے وقت آنسو بھی بھر لائے۔ مقتدی خان صاحب کنارے پر تھے۔ کنارے سے جہاز کشتیوں کے ذریعہ سے یعنی اسٹیم بوٹ جہاز کو کھینچتی ہیں اور بندرگاہ کے باہر چھوڑ دیتی ہیں۔ پھر جہاز کا کپتان چارج لے لیتا ہے۔ اس وقت تک جہاز کا کپتان کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

سیکنڈ کلاس کا ڈبہ اندازاً سات ہاتھ چوڑا اور لمبا ہوگا۔ دو بستر تلے اوپر لگے ہیں۔ یہ صرف ایک ڈیڑھ ہاتھ چوڑے ہیں۔ ان کے اوپر بستر بھی لگا ہوا ہے۔ صابون بھی دیا جاتا ہے۔ چادر، پلنگ و غلاف

بھی دیئے جاتے ہیں۔ ہمارا جہانگیر جہاز کراچی جارہا ہے۔آج دوسرا دن ہے مگر سوائے چند افراد کے کسی کو بھی متلی نہیں آئی ہے۔ البتہ نیچے کے درجے میں چکر زیادہ آتے ہیں۔ سمندر کل اچھا تھا، آج بتاریخ سات کسی قدر تلاطم ہے۔ ابر بھی ہے۔آج ہی گھڑی میں اس قدر ۴۵ منٹ کا فرق ہوگیا ہے۔یعنی ہماری گھڑی میں بمبئی کے وقت سے ساڑھے سات بجے ہیں اور جہاز کے وقت سے سات بجنے میں بیس منٹ ہیں۔ ہمارے پڑوسی ضلع پورنیہ بہار کے لوگ ہیں۔ دوست کی دادی پھوپھی، ساس وسسر آئے ہیں۔ اچھے لوگ ہیں، عجب لوگ ہیں۔ مردوں نے سیکنڈ کلاس ٹکٹ لیے ہیں اور مستورات کے تھرڈ کے۔ بارہ تیرہ آدمی ہیں۔ یہاں کا ڈاکٹر مسٹر ایس این مہتا سابق کلکٹر ایٹہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اچھے آدمی ہیں۔ بہت ملاقات بڑھ گئی ہے۔ جہاز پر برف نہیں ہے۔ بوتل چار آنے میں، آلو۔۔۔ میں، آٹھ آنہ سیر، رفتار جہاز چوبیس گھنٹہ میں اندازاً تین سو میل ہے۔

۷ مئی۔آج صبح سے تلاطم زیادہ بڑھ رہا ہے۔ یہ صرف کراچی سمندر کا طفیل ہے۔ بارہ بجے سے پرند دکھائی دینے لگے ہیں اور جابجا duals پڑے ہوئے۔ دخانی کشتیاں چل رہی ہیں۔ چار بجے pilot آیا اور جہاز کو سنبھالا۔ سب سے پہلے کراچی کا بحری قلعہ پڑتا ہے۔ یہ مٹی کا ہے اور بندر کے باہر کھڑا کر دیا۔

۸ مئی۔آج صبح ہی سے ہوڑیوں میں لوگ خورد ونوش اور ضروری سامان بیچنے آرہے ہیں۔ گراں بیچتے ہیں۔ خالو جی کا تار آیا۔ خیریت منگائی ہے۔ بہت سی چیزیں خریدیں۔ ایک مونگری مچھلی خریدی جو پتلی سی ہے۔قریباً گینڈسی اوپر سنہری، نیچے سفید۔ منہ نیچے، مونچھیں ندارد، کھانے میں اچھی لیکن کانٹا ندارد۔ صرف ایک ریڑھ کی ہڈی۔آج سامان لادا جارہا ہے۔ رات تک سامان لدتا رہا۔

۹ مئی۔ ۹ بجے کراچی بندر پر جہاز لگ گیا۔ مسافروں کا سامان آنا شروع ہوگیا۔ کسی کو جہاز پر سے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں سے سندھی لوگ بہت چڑھے ہیں۔ اس جہاز پر کچھ ترکستان کے لوگ بھی ہیں جو میانہ قد، سینہ چوڑے، مضبوط، آنکھیں چھوٹی ہیں، غذا ان کی عجیب ہے۔ آٹے کی ٹکیاں بنالیں اور انہیں کو کھولتے پانی میں ڈال دیا۔ جب پک گئے، نمک ڈال کھا لیتے ہیں۔ چائے بہت پیتے ہیں۔ کوئی بات کہو تو بجائے ہاں کہنے کے معقول کہتے ہیں۔ پانچ بجے جہاز چلدیا۔ ۱۵ منٹ تک آبادی دکھائی دیتی رہی۔ ایک صاحب مسٹر شاہ زمانی سے ملاقات ہوگئی ہے جو پیشاور ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پانچویں درجے تک پڑھا ہے۔ گھر سے ایک سو پچاس روپے لے کر نکل کر کھڑے ہوگئے۔ اب چار برس سے نہیں گئے ہیں۔ ٹیل کلارک میں دس روپیہ مہینہ ملتا ہے۔ انہیں کو تار دیا۔ بے چارے آج آئے تو تربوز اور خربوزے لے آئے۔ کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔

۱۰ مئی ۱۹۲۶۔آج حسب معمول جہاز خدا کے فضل وکرم سے چلتا رہا ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے، پانی ہی پانی ہے۔ نہ کوئی جہاز نظر آتا ہے نہ اور کوئی چیز۔ حتیٰ کہ مچھلیاں وغیرہ بھی نظر نہیں آتی ہیں۔

اکثر حجاج قصے کہا کرتے تھے کہ اتنی بڑی مچھلی اور اتنی بڑی مچھلی ہم نے نہ بڑی دیکھی نہ چھوٹی۔ یہاں پر ہر قسم کے لوگ ہیں۔ بخاری، چینی، بنگالی، بہاری، مدراسی، سندھی، پنجابی، غرض ہر طرف کے لوگ ہیں۔ عوام زیادہ ہیں۔ بعض کے پاس تو کھانے تک کو نہیں ہے۔ اور اس قدر کثیف رہتے ہیں خدا کی پناہ۔ حالانکہ نیچے کے درجوں میں سخت گرمی وحبس رہتا ہے لیکن کسی وقت بھی اوپر نہیں آنا چاہتے۔ حالانکہ ڈاکٹر متعدد بار کہہ چکا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے اوپر چلے آیا کرو۔ ان لوگوں کو ذرا بھی حس نہیں ہے۔ جہاں چاہیں گے نماز پڑھنے کھڑے ہو جائیں گے۔ سامنے راستہ ہے، کیسے لوگ نہ نکلیں۔ حتیٰ کہ ڈنڈا وغیرہ تک سامنے نہیں رکھتے۔

۱۱ مئی۔ رات آرام سے گزری۔ آج چائے بہت سویرے مل گئی۔ آج ایک ولایت جانے والا جہاز نظر پڑا۔ کوئی گھور کر دیکھتا ہے، کوئی دوربین سے دیکھتا ہے۔ غرض ایک قسم کی خوشی ہے۔ کپتان سے معلوم ہوا کہ ہمارے جہاز سے مغرب کی جانب زمین صرف تیس میل کے فاصلے پر ہے اور باقی اطراف میں ہزاروں میل تک زمین نہیں ہے۔ اور یہ خطرناک ہے۔ اس واسطے کہ اگر خدانخواستہ مشرق سے طوفان آئے تو ہم مغرب کی طرف نہیں جا سکتے۔ اس واسطے کہ مغرب کی جانب اترنے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ پانی میں پہاڑیاں ہوں۔ شام کو روزانہ خلاصوں کی قواعد ہوتی ہے۔ کشتیاں پانی میں پھینک دی جاتی ہیں اور وہ نیچے جاتی ہیں تاکہ ان لوگوں کو عادت رہے۔ ہمارے پڑوس میں جو بہاری عورتیں ہیں۔ وہ سر سے پیر تک مردوں کی طرح سفید کپڑے پہنے ہیں۔ دو شخص بیمار ہو گئے ہیں۔ ایک کو نمونیا ہو گیا ہے، دوسرے کو بخار ہو گیا ہے۔ اسپتال میں جب داخل کرتے ہیں تو اس کا سارا اسباب اپنی بندوبست میں لے لیتے ہیں۔ تاکہ اگر فوت ہو جائے تو کمشنر پولس کے پاس روپیہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ قانون کے مطابق کارروائی کرتا ہے۔ ایک بنگالی بیمار ہوا ہے۔ اس نے چھ سو روپے کے نوٹ اپنی گریبان میں سی لیے۔ بے چارے کیا کریں، اس قدر خطرناک سفر ہے۔ جب بیمار اچھا ہو جاتا ہے تو سامان واپس کر دیا جاتا ہے۔ صبح کو روز پانی تقسیم ہوتا ہے۔ دروازہ کھلنے نہیں پاتا کہ لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس قدر کشمکش ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ حتیٰ کہ راستہ تک یہ لوگ روک لیتے ہیں۔ بس اس موقع پر بھی نفسی نفسی ہوتی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان ذرا سی بات میں، خواہ کیسی ہی معمولی بات ہو، اپنے کو اور بنی نوع انسان کو کس قدر جلد بھول جاتا ہے۔

۱۲ مئی۔ آج کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آج یمن کے چند پہاڑ نظر آئے جو ٹیلے سے معلوم ہوتے تھے۔ دو پرند نہایت آبدار سفید نظر پڑے۔ حیرت ہے کہ رہتے کہاں ہوں گے۔

۱۳ مئی۔ جہاز حسب معمول چل رہا ہے۔ خدا کا فضل ہے۔ آج پلنگ کی چادریں، غلاف بدلے گئے۔ غسل ومنہ پونچھنے کی تولیہ ملیں۔ یہ ملازم روزانہ علی الصبح آتا ہے، صاف کرتا ہے، دق کرتا ہے، غصہ تو آتا ہے لیکن کیا کیا جائے۔ ایک صاحب کراچی کے مسمی عبداللہ خلافت کمیٹی کے نمائندہ سوار ہوئے

ہیں۔لوگ ان کو سی آئی ڈی کہتے ہیں۔ایک صاحب مسٹر جمال ایڈیٹر اخبار دمشق کے بھی ہیں جو اتحاد مسلم ممالک کے اوپر بہت زور دیتے ہیں مگر کوئی پروگرام پیش نہیں کر سکتے۔کل سے قبض شروع ہے۔کھا تو برابر رہا ہوں مگر طبیعت منقبض رہتی ہے۔نہ کہیں جانے کو نہ آنے کو دل چاہتا ہے۔زکام بھی ہو گیا ہے جس سے سر میں درد ہے۔انشاءاللہ کل عدن سے گزریں گے۔

۱۴مئی ۲۶، جمعہ۔آج کل سے بھی زیادہ سمندر ساکت ہے۔کسی تالاب کا پانی کیا ساکت ہوگا۔حیرت کا مقام ہے یہ دریائے بے پایاں اور یہ سکوت۔یمن کے پہاڑوں کا سلسلہ برابر نظر آ رہا ہے۔ چند مچھلیاں سیاہ نظر پڑیں مگر ایک خاص محدود جگہ میں۔یہ نہیں کہ پھیلی ہوں۔جہاز کی رفتار بوجہ مخالفت ہوا و بہاؤ آب کم ہو گئی ہے۔ایک مدراسی ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب ہیں۔نہایت عجیب ہیئت کے آدمی ہیں۔ کرامات بزرگاں کے بہت معتقد، فال حافظ شیرازی وخواجہ غریب نواز وغیرہ کے بہت عاشق۔فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ وخواجہ صاحب تشریف لے آئیں تو اول الذکر سے ڈر کر بھاگوں گا اور ثانی الذکر سے لپٹ جاؤں گا۔سنیما کے خلاف کیوں کہ اس میں اصل کی نقل ہے۔ایک اور مدراسی اکبر صاحب ہیں جو مولوی صورت بھی ہیں ومولوی نما بھی ہیں۔وہ عورات کو مستورات سے ملنے کے خلاف ہیں کیونکہ ایک دوسرے کو حرص ہوتی ہے۔ہمارے پڑوس میں ایک بیوہ بھی ہیں۔وہ چاہتی ہیں کہ ہم کو لے لیں۔ولایت پڑھائیں اور اس سے شادی کر لیں۔والدہ صاحبہ نے انکار کیا ہے۔جرت جرت بحر احمر میں چل رہے ہیں۔

گرمی بڑھ رہی ہے۔سیکنڈ کلاس میں غسل خانہ ندارد اور باورچی خانہ نہیں ہے۔صرف کناروں پر جا بجا کنکریٹ کوٹ دی ہے۔کھلی ہوئی جگہ ہے۔وہیں پر دن بھر کھانا پکتا ہے۔خلافت کمیٹی کے صدر شوکت علی صاحب برابر اخباروں میں پیغام دے رہے ہیں کہ اس ٹرنر مارسن کمپنی کے جہاز خوب ہیں مگر جناب ذرا تھرڈ کلاس کے پائخانہ اور غسل خانہ دیکھئے۔طہارت رہ ہی نہیں سکتی۔الامان الحفیظ۔کاش صرف وہی لوگ سفر کریں جن پر فرض ہیں تو یہ کمپنی والے دیوالیہ ہو جائیں۔کیونکہ ان کو آمدنی تھرڈ کلاس والوں سے ہے اور انہیں پر یہ سب ستم ہے۔اور یہ بھی غیر ذمہ دار، بے حس، جاہل ہیں۔سبھی جگہ کے ہیں مگر جتنے بنگالی خراب ہیں اتنا کوئی نہیں ہے۔

۱۵و۱۶مئی۔اول الذکر تاریخ میں صبح ہی سے سواحل عرب وافریقہ نظر آتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا بہت ہی قریب ہیں۔مگر پانچ پانچ میل کے فاصلے پر کنارا تھا۔

۱۵تاریخ نہایت آرام وخوشدلی سے گزری کیونکہ عدن بھی اسی تاریخ پر گزرا اگرچہ ہم عدن پر نہیں رکے تاہم بہت تھوڑی تعداد مکانوں کی نظر آتی تھی لیکن یمنی پہاڑوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔شام کو مغرب کے وقت جزیرۂ پیرم Perum, ils آیا۔روشنی نظر آتی تھیں۔چار پانچ لائٹ ہاؤس بنے ہوئے ہیں۔یعنی جزیرے کے شروع سے آخر تک قریباً چھ یا سات میل کا فاصلہ ہے۔یہیں پر انگریزوں کا قلعہ

ہے۔گرمی زیادہ ہے،زکام کی وجہ سے گلا پڑ گیا ہے۔۱۶کو صبح ہی سے کامران کا انتظار ہے۔سامان درست ہو رہا ہے۔ایک دقت یہ ہوئی کہ خالو جی نے روپیہ رکھ دیا ہے۔وہ تو خوش قسمتی سے ایک ہزار کے نوٹ بمبئی میں کر لیے باقی روپیہ رہا۔اسسے کم۔بس اسی کا بوجھ ہے۔کپتان کے پاس امانتاً رکھ دیا ہے۔۱۱بجے کامران پہنچے۔ایک لانچ ہے دو کشتیاں ہیں جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔لانچ ایک ایک کر کے کامران پہنچاتا ہے۔دو میل کا فاصلہ ہے۔ہم سب آخر میں گئے۔یعنی فرسٹ وسیکنڈ۔وہاں پر عورتوں کے لیے چھوٹی سی ریل نما ڈبے ہیں باقاعدہ shed بنا ہوا ہے۔اس کو آدمی ہی ڈھکیلتے ہیں۔لیڈی ڈاکٹر بھی ہے۔ہمارے ساتھ میں یعنی فرسٹ میں نواب جمشید علی خان بھی ہیں۔ان کی مستورات بھی ہیں۔وہ پانسو تک دینے کو تیار تھے کہ مستورات کو بچا دیا جائے۔مگر ڈاکٹر نی نہیں مانتی تھی۔آخر کو سب کو نہانا پڑا۔اسباب تتر بتر ہو گیا۔صابن وغیرہ سے نہلایا جاتا ہے۔انگریزی نما گاؤں کی طرح چٹائی کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔فرسٹ اور سیکنڈ کے لیے ایک پختہ مکان ہے۔مگر سب بارکیں ہیں لمبی لمبی۔

میری رائے میں مسافروں کو سوائے آٹا و چاول کے ورنہ صرف آٹا ہی کافی ہے اور چند پانی کے برتن و بستر مختصر لے جانا چاہئے کیونکہ ایک رات کا کاٹنا ہی کیا ہے اور دوئم وہاں ہر قسم کی چیز ملتی ہے۔ہوٹل بھی ہے۔دو پہر کو گئے صبح کو لوٹ آئے۔سیپ بک رہی تھیں لایا ہوں۔وہاں پر ایک زیارت بھی ہے مگر حجاج کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ایک انگریزی پلٹن عدن سے آئی ہوئی ہے۔یہ جزیرہ اس وقت امام یحییٰ والی یمن کے تحت میں ہے۔سب ویران ہے۔برف و گوشت،مٹھائی،تربوز،مرغی،چائے، شربت وغیرہ ارزاں اور خوب ملتا ہے۔مسافروں کو آنے جانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

۱۷مئی۔۱۷کی صبح کو وہاں سے چل دیئے۔اب گیارہ بجے جہاز چلا۔دونوں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔اب کل سے انشاءاللہ احرام بندھے گا اور سامان کی تیاری ہوگی اس واسطے کہ پرسوں انشاءاللہ دو پہر تک جدہ پہنچیں گے۔میں روز خطوط لکھ رہا ہوں۔ختم ہی نہیں ہوتے۔مسافروں کو چاہئے کہ انگریزی لفافے یا ٹکٹ پر خطوط لکھ کر یہیں سے ڈالیں اس واسطے کہ اس کے آگے۔۔۔بہت دھوکا ہوا۔ڈاکٹر وغیرہ نے منع کر دیا تھا۔کامران بھی ایک ترک ہیں جو ترکی زمانہ کے ہیں۔بہت ہی خلیق وحلیم الطبع۔پانی برف کا منگایا۔جتنے صاحب موجود تھے سب کو پہلے پلایا۔جب خود پینا چاہتے تھے کہ ایک گنوار لینے لگا۔فوراً دے دیا پھر خود بھی نہیں پیا۔یہیں پر ہوٹل کے سامنے ایک عرب پراٹھے بیچ رہا تھا۔بالکل ربر جیسے اور فصیح زبان میں کہہ رہا تھا پراٹھا یا میاں، پراٹھا یا میاں، چائے یا میاں۔یہاں پر جانور بھی عجیب ہیں۔جب سے زمین قریب ہو گئی ہے یہ پرند بھی ساتھ ساتھ اڑ رہے ہیں۔پاؤں بگلے کی برابر اور اڑان بھی اسی کے برابر۔مگر پنجے بطخ جیسے۔اوپر سیاہ ہلکے، نیچے سفید۔چونچ ذرا لانبی سیاہ۔نوک موٹی۔آواز بالکل بکری کے بچے جیسی۔

۱۸تا۲۵مئی۔آج صبح ہی سے یلملم کا انتظار ہے۔لوگوں نے کل ہی سے احرام باندھنا شروع

کر دیا ہے۔

پیر۔ جدہ و مکہ معظّمہ (بحیرہ جدہ، شمشیہ) (قرنطینہ، ہوڑی، جدہ، مکان ندیم احمد، اونٹ، شہر جدہ، روانگی مکہ، موٹر، مطوف، راستہ، مکانات، حرم شریف، بازار۔۔۔، مکانات)

جہاز بوجہ سطح خراب ہونے کے آہستہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی چٹانیں اکثر جگہ ہیں۔ لوگ نہار ہے ہیں۔ ذکر واذکار میں بکثرت مشغول ہیں۔ بعضوں نے ترک ذبیحہ کی بجائے ترک غذا سختی شروع کر دیا ہے۔ شام کے ساڑھے سات بجے یلملم آیا۔ گھڑی کے وقت میں روزانہ ۵۰ منٹ کا فرق ہے۔ یعنی سست کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے دن جدہ کا انتظار رہا۔ صبح ہی سے لوگوں نے سامان درست کر رکھا ہے۔ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ دو گھنٹہ پیشتر سے جدے کی پہاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔ مگر جدہ ہے کہ نہیں آ پاتا ہے۔ آخر کار جدے سے دو میل کے فاصلہ پر جہاز ٹھہرا۔ اکثر امراء جدہ و نائب افسر اعلیٰ جدہ آیا۔ جہاز نے Whistle دی تب جدے سے سمبوق (ہوڑی، کشتی ناؤ) آئیں۔ سینکڑوں۔ مگر اب انتظام ہے یعنی جس مسافر کا جی چاہے اپنے کسی رفیق اور کسی کشتی میں بیٹھ جائے۔ بخشش کا بھی رواج اٹھ گیا ہے۔ مانگتے ضرور ہیں۔ آپ کا جی چاہے دیجئے یا نہ دیجئے۔ کنارے پہنچ کر مرد و عورتیں ایک طرف اترتی ہیں۔ وہاں پر پوچھا جاتا ہے کہ آیا کچھ دیا ہے کہ نہیں۔ اگر مسافر یہ کہہ دیں کہ دیا ہے تو جرمانہ کے علاوہ کرایہ میں سے کاٹ دیتے ہیں۔ کرایہ سرکاری آدمی وصول کرتا ہے۔ ہم سے ۱۵ آنہ فی شخص لیے گئے۔ سامان کسٹم میں اتارا گیا۔ دیکھئے یہ فرق ہے ہر جگہ۔ یعنی ہر بندرگاہ پر۔ وہاں کا ایک۔۔۔ Pilot ہوتا ہے جو بندرگاہ کے پانی سے واقف ہوتا ہے۔ اس کی بڑی بڑی تنخواہ ہوتی ہے۔ گویا جس جہاز کو وہ چاہے لائے اور جس وقت چاہے لائے۔ کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے اور تنخواہ تقریباً پندرہ سو کی ہوتی ہے۔ اس کا لانچ علیحدہ ہوتا ہے مگر یہاں پر ایک معمولی شخص ننگے پاؤں معمولی کشتی میں آیا جس کو فی جہاز پچاس سو روپیہ دیئے جاتے ہیں۔ سامان کسٹم سے نکالنے میں بڑی دقت اور دیر ہوتی ہے۔ سب سامان کھولا اور دیکھا جاتا ہے۔ مگر منشی احسان اللہ صاحب و مولوی ندیم احمد صاحب کی مہربانی سے ہم اس اذیت سے بچ گئے۔ ہمارے معلم مولوی عبدالسلام ہاشم ہیں۔ ان کے وکیل موجود تھے۔ ایک مکان شہر میں دیا گیا۔ تیسری منزل پر۔ یہاں پر سب مکان اوپر کو گئے ہیں۔ بازار خاص مسقّف ہے۔ اچھا ہے۔ سامان گراں نہیں ہے۔ اب یہ مشکل ہے کہ ہم نہ ان کی سمجھیں اور نہ وہ ہماری سمجھیں۔ کھانا بازار سے خریدا۔ پاسپورٹ تصدیق وٹکٹ لگنے کے لیے لے لیے گئے ہیں۔ کوئی شخص بغیر اجازت شہر نہیں چھوڑ سکتا (حاجی) پیدل یا سوار ہیں۔ ہم چار یعنی والدہ صاحبہ، خالہ جی صاحبہ تھیں۔ وہیں موٹر کیا لاری تھی۔ اس میں اپنے ہی آدمی تھے۔ خیریت سے جان پہچان والے ہی تھے۔ مولوی ندیم احمد صاحب ان کے صاحبزادے حسن میاں۔ عبداللہ حیدر آباد سندھ ہیں۔ و پیر اسمٰعیل مجددی اور دو مدراسی ان سے بھی جہاز میں شناسائی ہو گئی تھی۔ سفر مکہ:

اپنا اسباب و آدمی اونٹوں پر روانہ کئے گئے۔ ہم جمعرات کی صبح کے اپنے ۹ بجے چلے اور ۴۵

میل مکہ معظّمہ بعد مغرب پہنچے۔ یہاں پر وقت کا عجیب طریقہ ہے۔ ادھر مغرب کی اذان ہوتی ہے اور ادھر لوگوں نے اپنی گھڑی ٹھیک کی۔ یعنی فوراً بارہ بجا لیے گئے۔ لاری چھوٹی چھوٹی ہیں۔ دس آدمی زیادہ سے زیادہ بیٹھ سکتے ہیں۔ مگر بارہ تیرہ بٹھائے ہیں۔ سامان فی کس ۵ پونڈ یعنی ۵ سیر رکھ سکتا ہے۔ باقی کا چار روپیہ من چارج کرتے ہیں۔ خدا کی شان نہ راستہ نہ کچھ اور لاری چل رہی ہیں۔ راستہ وہی ہے۔ ریت بعض جگہ ایسا ہے کہ پہیے دھنستے ہیں اور لاری کا انجن جواب دیتا ہے۔ اگر پہیا دوسرے موٹر کی لیکھ پر ہے تو اچھا ہے ورنہ پہیا ریت کی زیادتی کی وجہ سے ریت کی ملائمت کی وجہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ ۲۵ میل صبح کے چلے ہوئے ۲ بجے پہنچے بحرے میں۔ سیکڑوں جگہ دھکا دینا پڑا۔ لاری ہلکی ہیں۔ لیکن ریت زیادہ ہے اور جہاں کم ہے وہاں گڈھے بہت ہیں۔ چڑھان اتار الگ۔ بحرہ مثل پڑاؤ کے ہے۔ اچھی خاصی بستی ہوگئی ہے۔ قہوہ خانہ و دوکانیں موجود ہیں۔ ہر میل پر بدوؤں کی جھونپڑیاں موجود ہیں۔ فوراً پانی کی صراحیاں بیچنے آجاتے ہیں۔ اس سے آگے جدہ ہے۔ یعنی نصف اس کے آگے شمشیہ ہے۔ یہاں پر پانی اچھا ہوتا ہے۔ اس سے آگے حد حرم شریف ہے۔ شریف حسین جدے سے مکہ تک تار و ٹیلی فون جا بجا لگا دیا ہے۔ جس سے آرام ہے۔ یعنی اگر لاری خراب ہو جائے یا اور کوئی بات ہو جائے تو خبر کی جا سکتی ہے۔ مکہ معظّمہ بعد مغرب پہنچے۔ ہماری لاری تیل ختم ہو جانے کی وجہ سے مکہ معظّمہ باہر کھڑی ہوگئی تھی اور شوفر تیل لینے گیا تھا۔ جو بدو آتا تھا سلام علیک کرتا تھا اور چند باتیں پوچھ کر چل دیتا تھا۔ مگر ان کی زبان سے ناواقف لاوا کر کے ٹال دیتے تھے اور وہ ہنس کر چل دیتے تھے۔ یہ بھی حکومت کا اثر ہے ورنہ اب تک خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ ہر ایک کے پیش قبض لگے ہوئے تھے۔ معلم صاحب باہر ملے۔ شہر کے باہر ایک بہت بڑی ترکی فوجی بارک بنی ہوئی ہے۔ اور جا بجا ٹوٹے ہوئے ترکوں کے زمانے کے قلعہ بھی ملے۔ رات کو معلم صاحب نے اپنے یہاں ٹھہرایا۔ میں نے کھانا کھانے کے بعد ہی طواف قدوم و سعی کر لی تھی۔ مگر مستورات نے صبح کو طواف اور سعی گدھے پر کی۔ اس دن مکان کا انتظام نہ ہو سکا۔ دوسرے دن مکان دیکھے مگر چونکہ خالہ صاحبہ بہت ہی کمزور ہیں اور وہ آجا نہیں سکتی ہیں لہٰذا حرم شریف کے نزدیک فکر ہوئی۔ باب ابراہیم پر مدرسہ فخریہ ہے جس کے مہتمم قاری محمد اسحٰق ہیں۔ اوپر کا مکان مع دو چھتوں کے تاکہ باہر سو سکیں۔ پچاس گنی میں شرح مشاہرہ پر کہ دو سال سے اٹھ رہا ہے طے کیا اور ہم لوگ آگئے۔ دو کمرے بڑے بڑے جو حرم شریف کی طرف ہیں مستورات کے لیے ہیں اور دو درمیانی ملازمین کے لیے اور ایک کمرہ جو بازار کی طرف ہے۔ اس میں میں ہوں۔ مگر مستورات آتی جاتی ہیں۔ بازار خوب کھلے ہوئے ہیں جو بڑے بازار ہیں وہ مسقّف ہیں۔ یہاں کے لوگ مانگنے کے عادی ہیں۔ خواہ امیر و غریب۔ ہر شخص اپنے انداز سے مانگتا ہے۔ بعض سے تو کپڑے چھٹانا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یہاں پر خالص عرب بہت کم ہیں۔ جو ہیں وہ ملے ہوئے ہیں۔ خالص عرب آج کل نجدی لوگ ہیں اور بدو ہیں جو اپنے لباس سے فوراً پہچان لیے جاتے ہیں۔ نجدی عربی رومال کے اوپر ایک ٹوپی چغہ جس کو مشلاح بولتے ہیں۔ بدو لمبا کرتا آستین ہمارے یہاں کی

نہیں ہوتی بلکہ چغہ نما ہوتی ہے اور سر پر وہی رومال۔ باقی ان عرب بدوؤں میں بھی مساوات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس سے ملاقات ہو جاتی ہے یا ربط وضبط بڑھ جاتا ہے اس سے کھل جاتا ہے اور آزاد ہو جاتا ہے۔ مگر خاموش۔ جن سے یہ لوگ خلوص سے ملیں گے اس سے ہاتھ ملائیں گے اور لپک کر بوسہ دیں گے ورنہ مصافحہ کے بعد ہاتھ صرف سینے تک لا کر چھوڑ دیں گے۔ علم سے بے بہرہ ہیں کیونکہ معاش کی فکر جلد لاحق ہو جاتی ہے۔ یہاں کی زندگی بے حد اصراف پر مبنی ہے۔ کمرے سجے ہوئے ہر شخص کے۔ روشنی گیس لالٹین کی اور خورد ونوش میں تکلف زیادہ۔ اکثر اشیاء جو استنبولی تھیں وہ اب نایاب اور گراں ہیں۔ باقی چیزیں اب بھی ارزاں ہیں۔ حاجیوں کو بوجہ ناواقف ہونے طریقوں کے، عادات کے، گفتگو کے و حساب سکہ تکلیف ہوتی ہے۔ اکثر لوگ یعنی زیادہ لوگ ایماندار ہیں مگر مفلس ہر عرب کا خواہ جدی ہو یا کسبی حج کے ایام کی امید موہوم پر جیتا ہے۔ بدو صاحب خلق وایماندار ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لوٹتے ہیں اور نہ کھلاؤ تو ستاتے ہیں۔ تو کیوں نہ کریں اس واسطے کہ نصف سے زائد کرایہ میں سے گورنمنٹ وصول کرتی ہے۔ مثلاً آج کل مدینہ کے اونٹ کا کرایہ ۸ گنی ہے۔ اس میں سے ۵ سرکاری و باقی بدو کے ہیں جس کے اونٹ ہیں بچے بھی ہیں۔ یہ حالت ہے۔

نظام گورنمنٹ: ملکی انتظام بہت اچھا ہے اب وہ حالت نہیں جو اس ۶،۵ سال میں ہو گئی تھی۔ ہر طرف امن وامان ہے۔ خواہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔ اونٹ، گدھا وغیرہ کی سواری جو کہ برابر جاتے ہیں بغیر اجازت نہیں جاتے۔ اس وقت مدینہ کے لیے اونٹ کا کرایہ ۸ گنی مقرر ہے جس میں سے ۵ سرکار لیتی ہے باقی بدو کے تین۔ سلطان صاحب نہایت سادہ اور معقول پسند ہیں۔ البتہ مذہبی معاملات میں سخت ہیں۔ گنبد وغیرہ منہدم کر دیئے گئے ہیں۔ اجازت نہیں ہے کہ لوگ دیکھنے جائیں۔ نماز چاروں مسلکوں کی اب نہیں ہوتی ہے۔ پہلے امام حنبلی پڑھاتا ہے پھر صبح کو بعد ان کے صرف حنفی۔ ظہر کو بعد ان کے صرف شافعی، عصر کو بعد ان کے مالکی۔ مغرب میں صرف وہ۔ عشا میں بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ تعویذ رکھنے کی بھی ممانعت ہے۔ صرف یہی بات لوگوں کو متنفر کرنے والی ہے۔ طائف میں بڑی سختی ہوتی ہے۔ لاکھوں آدمی خانہ پر برباد ہو گئے۔

۳۰ مئی۔ میں پرسوں منی مکان دیکھنے گیا تھا۔ سیکڑوں مکان بنے ہوئے ہیں۔ دو طرفہ مکان ہیں۔ شہر شیطان بھی یہاں ہیں۔ تین شیطان ہیں۔ راستہ کے دائیں طرف یہاں سے جاتے وقت کے مکانات اچھے ہیں کیوں کہ بائیں طرف کے مکانات پر دوپہر سے شام تک دھوپ رہتی ہے۔ چار پانچ قہوہ خانہ ہیں۔ حج کے ایام میں تین چار لاکھ کا شہر ہو جاتا ہے۔ اُف گدھے یہاں کے غضب کے ہیں۔ یونہی قدم جاتے ہیں۔ بڑے بہت تیز ہوتے ہیں۔ ابھی تک کوئی اچھا گھوڑا نظر نہیں پڑا۔ یہاں پر بیبر پانی بھرنا۔ گدھوں سے چلتی ہے۔ مگر۔۔۔ مشک ہی ہے اوپر کا منہ کھلا ہوا اور نیچے کا پتلا یعنی مشک کے دونوں جانب منہ کھلے ہوئے ہیں۔ ایک طرف سے پانی بھرتا ہے اور اس کے کناروں پر رسی ہوتی ہے اور پتلی

طرف سے پانی نکالا جاتا ہے اور دو گھڑی ہوتی ہیں۔ کس قدر طوالت کا کام ہے اس طریقے سے حالانکہ یہاں قریب میں اور مکانات ہیں پتھروں کے مگر اب تک پتھر توڑنے کی کوئی چیز ایسی نہیں بنائی جس سے جلد کام ہو سکے۔ ایک لوہے کا۔۔۔ اس شکل کا پتھر پر مارتے ہیں اور وہ بعد گھنٹوں کی مشقت کے ٹوٹتا ہے۔ منا جاتے وقت جنت المعلیٰ سے اوپر ایک پہاڑ تھا جس کے اوپر ہو کر جانا پڑتا تھا۔ شریف حسین نے اس کو اڑا دیا ہے۔ جتنا راستہ ہوتا ہے دو سواریاں برابر سے نکل سکتی ہیں۔ عرب اس کے مشکور ہیں۔ کہتے ہیں کہ یادگار رہے گی۔ جنت المعلیٰ میں جہاں پر حضرت آمنہ، خدیجہ اور بزرگان کے مزار معہ قبے کے سب منہدم کر دیئے گئے ہیں۔ جہاں پر سلطان کا مکان ہے وہاں سیکڑوں بدوشباح پہنے ہوئے ننگے پاؤں کارتوسوں کی پیٹی لگائے رومال پہنے پھرتے ہیں۔ منیٰ کے راستہ میں چند مسجدیں دیکھیں۔ راستہ میں ایک ایک پتھر رکھ دیا ہے بس مسجد ہوگئی۔

۳۱ مئی۔ ان عربوں کو اگر کچھ دام زائد چلے جائیں تو دینا نہیں چاہتے۔ خدا جانے گڑبڑ میں کیا حالت ہوگی۔ کہتے ہیں کہ اگر ایک دو روپیہ کی بخشش لوگ دیتے ہیں تو واپس کر دیتے کہ اس کا وہ کیا کریں گے۔ مگر موجودہ سلطان کا یہ اثر ہے کہ اب یہ ایسا نہیں کرتے ہیں۔

۲ جون تین روز ہوئے جب والدہ صاحبہ کے ہاتھ پر کھڑکی گر گئی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ خیریت ہوئی۔ پنجے کے اوپر گری ورنہ اگر کلائی پر گرتی تو نامعلوم کیا حال ہوتا۔ یہاں پر بھی ایک ڈاکٹر سے ملاقات ہوگئی ہے۔ یہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہاں پر دو مہینے سے ہیں بہت سے عجیب خیالات رکھتے ہیں آپ کا اسم مبارک اے۔ کے عبدالرحمٰن ہے۔ ان کے ایک صاحبزادہ صاحب بھی ہیں۔ جن کا نام کا احمد عبدالرحمٰن ہے۔

۷ جون۔ آج موتمر اسلامی کا قریب ۹ بجے ۲۱ توپوں سے افتتاح ہوا۔ ابن سعود صاحب کرسی صدارت پر بیٹھے۔ ان کا خطبہ صدارت ان کے پرائیویٹ سکریٹری نے پڑھا۔ یعنی یہ سیاسیات ملک عرب میں آپ دخل نہ دیں اور ہمارے تعلقات دیگر طاقتوں سے اب ناموافق نہ غیر موافق اظہار رائے کریں باقی آپ کو آزادی رائے کا حق ہے۔ آپ کا حق ہم پر ہے اور ہمارا حق آپ پر ہے۔ آپ یہاں کی فلاح و بہبودی کا خیال رکھیں۔ یعنی نہر زبیدہ و سڑک و ریل وغیرہ۔ اس کے بعد گورنر مکہ نے تقریر کی جس میں انہوں نے بتایا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں پختہ سڑک کر دی جائیں اور حرم شریف کے چاروں طرف کے مکانات خرید کر کے باغات کے قسم سے سبزہ لگایا جاوے۔ اس کے بعد سلطان صاحب یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ آپ اپنا مستقل صدر منتخب کر لیں۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی کو صدر بنایا گیا اور اس کے بعد بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کہا کہ مراکشی ڈیلی گیشن کے صدر کو اس کا بھی صدر ہونا چاہئے کیونکہ اس سے تعلقات پچھلی کشیدگی دور ہو کر اچھے ہو جائیں گے۔ اس پر سخت مخالفت ہوئی۔ آخر کلام عدنان نئے صدر ہوئے (یہ عرب ہیں) اور سید سلیمان ندوی و ایک صاحب اور، نائب صدر ہوئے۔ توفیق پاشا

سکریٹری ہوئے۔اس کے بعد کارروائی ملتوی ہوگئی۔

کل سے مجھ کو بخار آیا ہے۔سخت سر میں درد واعضا شکنی رہی۔قبض ہے آج ہلکا ہے بہت دست آور دوائی کھائی۔گیارہ بارہ دست ہوئے مگر پانی جیسے لیکن پیٹ میں چمک اب بھی ہے۔اب مصری لوگوں کی آمد زیادہ ہے۔سب موٹے تازی اور تنومند ہیں۔ایک مصری عورت مقام ابراہیم پر دعا مانگ رہی تھیں۔سپاہی نے منع کیا۔کہنیوں سے الگ کر دیا۔اس نے شاید کھینچا یا مارا تو پھر کیا تھا اس نے خوب ہی تو مارا اور ہاتھ جو مروڑا تو اتر گیا۔پھر ممانعت ہوگئی ہے کہ مغرب کے پہلے اور بعد عورتیں طواف نہ کریں۔

حج

اس دوران میں میں بیمار ہوگیا۔قبض کی وجہ سے ہوا۔کئی روز رہا۔دست کرائے گئے۔ضعف کئی روز تک رہا مگر خدا کا شکر ہے جلد اچھا ہوگیا۔اچھے ہونے کے بعد حج کی تیاری کی فکر ہوئی۔چنانچہ ۷ ذی الحج مطابق ۱۷ جون کو احرام باندھا اور یہ قرار پایا ہے کہ آج ہی تاریخ کو چلا جائے۔اگرچہ سنت ترک ہوتی ہے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوروں ومعذوروں کو خود اجازت دی ہے کیونکہ ہمارا ساتھ مستورات کا ہے لہٰذا ہم نہیں جا سکتے تھے کیونکہ صبح چلنے کی حالت میں ضرور دھوپ ہو جائے گی۔ارادہ عصر کی نماز کے بعد تھا مگر اونٹوں کے آنے میں دیر ہونے کی وجہ سے بعد نماز عشاء چلے۔مستورات پریشان ہیں کہ کہیں راستہ میں لٹ نہ جائیں حالانکہ یہاں کا سفر رات ہی کا ہے۔بلونہ والے ہمارے ہی ہمراہ چل رہے ہیں۔یعنی حاجی عبدالکفیل خان صاحب، مقتدی خان صاحب وہمشیرہ مقتدی خان صاحب۔چار شفدف اور تین شبری کی گئیں سات اونٹ ہوئے۔جمال کا نام عبداللہ ہے۔نیک اور اچھی خصلت کا ہے۔سگریٹ کا یہاں پر عام رواج ہے اور کثرت سے پی جاتی ہے۔مگر چونکہ حکومت خلاف ہے لہٰذا چھپ کر پیتے ہیں۔بدو میرے پاس شبری میں بیٹھا ہے اور سگریٹ بنا رہا ہے مگر چھپ کر اور ادھر ادھر دیکھتا جاتا ہے کہ کہیں سپاہی نہ آ جائے۔اتفاق سے اِدھر سے گزرا بس جھٹ سے سہم گیا۔بخشش کا یہیں سے سوال ہے شربت پلوایا خوش ہوگیا۔چلے۔رات کے نو دس بجے منٰی پہنچے۔مکان پہلے ہی ۷ یا ۸ گنی میں طے ہوا ہے۔صاف نہیں کرایا۔مستورات کو اوپر چھت پر سلایا۔آپ نیچے اپنے مکان کے صحن میں سو رہے۔صبح کو ۱۸ جون کو اٹھے۔صبح میں نئی ہماری طرف جھانکتی تھی کہ چھت ٹوٹی۔آدھا دھڑ نکل پڑا۔خدا کا بڑا فضل ہوا۔خیریت ہوئی۔افسوس ہے۔حالانکہ مکان اور چھت دونوں کو خوب اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ایمانداری کی یہ بات ہے کہ یہاں کے مکانات سال بھر تک یونہی پڑے رہتے ہیں۔یہاں کی مستقل آبادی کوئی سو سوا سو آدمی ہوں گے۔ویسے دیکھنے میں شہر عمارات بڑا ہے۔اب مکان ناپسند ہے جیسے تیسے سمجھا بجھا کر کہ کل تین دن تو رہنا ہی ہے کیا کیا جاوے رہیں۔یہاں پر مسجد کوثر ہے جہاں پر سورہ کوثر اتری اور مسجد مرسلات بھی ہے جہاں سورہ مرسلات اتری اور مسجد خیف ہے۔مسجد خیف کو لوگوں نے بالکل سرائے بنا رکھا تھا۔

کوئی سو رہا ہے، کوئی کھانا پکا رہا ہے، کوئی منہ دھو رہا ہے۔ اس میں ایک قبّہ بنا ہوا ہے جہاں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ ہمارا مکان منحلے شیطان کے بالکل قریب ہے۔ اب عشاء کی نماز کے بعد عرفات چلے۔ یہ مقام یہاں سے ۷ یا ۸ میل ہے۔ صبح ہوتے خیریت سے عرفات پہنچے۔ مستورات کے لیے ڈیرا تیار تھا۔ پائخانہ بھی موجود تھا۔ صبح کی نماز پڑھی۔ چائے پی۔ دن بھر رہے۔ اس قدر وسیع میدان ہے کہ لاکھوں آدمی ہیں مگر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ چند ہزار ہوں گے۔ ہمارا قیام جبل رحمت کے قریب ہے۔ وہاں پر گئے۔ جبل رحمت اس میدان کے بیچ میں ایک پہاڑ ہے اور چاروں طرف میدان اور میدان پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ جابجا نہر زبیدہ کے حوض بنے ہوئے ہیں۔ بازار بھی ہے۔ جبل رحمت پر جا کر دعا کی، نفل پڑھے اور اس پہاڑ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پہاڑ کے پتھر ایک دوسرے سے بظاہر بالکل علیحدہ ہیں۔ اوپر ایک نشان بنا ہے۔ نشان کے سامنے ایک محراب ہے جہاں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا تھا۔ اس سال خطبہ نہیں ہوا البتہ لوگ عصر کے وقت دعا میں مشغول کثرت سے تھے۔ سب کے واسطے دعا کی۔ مستورات پریشان ہیں کہ نہ معلوم یہاں پر کیا ہوتا ہوگا۔ ہمیں بیکار لا کر ڈال دیا ہے۔ نہ نفل ہیں نہ دعا ہے نہ نماز ہے نہ روزہ ہے۔ سمجھایا گیا کہ نماز وقت پر پڑھو اور توبہ استغفار اپنے طور پر کرو اور مغرب عشاء کی نماز ملا کر مزدلفہ میں پڑھی جائے گی۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ کہیں نمازیں بھی ملا کر پڑھی جاتی ہوں گی۔ عرفات سے ہی خالہ جی کے سر میں درد اور کسی قدر بخار ہے۔ رات مزدلفہ میں گزاری۔ نماز پڑھی، کھانا کھایا۔ کنکریاں گنی۔ رات اس قدر سردی پڑی ہے کہ اب تک نہیں پڑی تھی۔ صبح کو اٹھ کر نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر اونٹوں کا انتظار رہا۔ معلوم ہوا کہ اپنی رسی بھی لے گئے تا کہ دوسری کھیپ کر لائیں۔ خالہ جی کو بخار بدستور ہے۔ گھبراہٹ بھی ہے۔ منٰی آئے۔ والدہ کو بھی آتے آتے بخار ہو گیا ہے۔ بڑے شیطان کے جا کر کنکریاں ماریں۔ خالہ جی و والدہ صاحبہ کی طرف سے بھی میں نے ہی ماریں۔ ننی حبیب گنج والوں کے یہاں چلی گئیں۔ یہاں بھی قریب ہی ٹھہرے ہیں۔ وہاں جا کر نہ معلوم کیا کیا اڑا آئیں اور اب ان کو بھی بخار ہو گیا ہے۔ شکیلا کو بھی بخار ہے۔ بلو نہ والوں کا ننا بھی بیمار ہے۔ گیارہ ذی الحج کو رہے۔ خالہ جی و والدہ کا وہی حال ہے۔ اب یہ ارادہ ہے کہ ۱۲ کو اشراق کے بعد کنکریاں مار کر چلیں اس واسطے کہ بیماروں کا ہمارا ساتھ ہے۔ شام کو گرمی کی وجہ سے نہیں جا سکتے۔ دوئم مکہ معظّمہ میں شام کو بھیڑ زیادہ ہوگی اور طواف کرنا آسان نہ ہوگا۔ لہٰذا آئے منٰی سے تقریباً ۸ بجے چلے اور ۱۰ بجے آ گئے۔ گیارہ بجے تک طواف سے فرصت مل گئی۔ اب طبیعت اچھی ہے۔ والدہ کی طبیعت اور ننی کی خراب ہے۔ بخار ہے گھبراہٹ زیادہ ہے۔ خالہ جی چپ اور خاموش ہیں۔ ضعف کی شکایت زیادہ ہے۔ خالہ جی کو بخار ہو گیا ہے۔ گھبراہٹ زیادہ ہے۔ ننی کو حکیم کا علاج پسند ہے۔ خالہ جی کو بھی اچھا خاصا آرام ہو گیا ہے۔ مگر حرص کہ ہمارا بھی یونانی ہو۔ چنانچہ پھر طبیعت خراب ہو گئی ہے۔

۲۸ جون۔ رات بھر بخار تیز رہا۔ صبح ہی جدے والے ڈاکٹر کو بلایا۔ خدا کے فضل سے طبیعت

سہولت پر ہوگئی ہے۔ بخار بھی کم ہوگیا ہے۔

واقعات۔ منا میں جب یہاں سے گئے ہیں تو رات کے گیارہ بجے پہنچے۔ حاجی عبدالکفیل خان ایک طرف پیشاب کو جاتے تھے۔ سحریج (کذا) میں اندھیرے میں گر پڑے۔ گھٹنہ پر کھرسٹ آ گئی۔ صبح کو یعنی ۸ تاریخ ذی الحجہ کو نئی حسب عادت اوپر جو دیوار پر سے جھانکی چھت پر سے نکل پڑیں۔ خیریت یہ ہوئی کہ صرف آدھا دھڑ نکلا۔ بچ گئیں۔ اصل میں یہ بات ہے کہ یہ مکانات سال بھر تک یونہی کھڑے رہتے۔ ایام حج کے قریب معمولی ٹیپ ٹاپ کر دی جاتی ہے۔ خیر۔ جب نیچے اتر کر آئیں تو شکایت کرنے لگیں۔ مقتدی خان بھائی نے کہا کہ رات حاجی میاں کے لگ گئی۔ کہا اے ہے اس مکان میں کون بلا ہے جو دے دے مارتی ہے۔

جب ۱۲ تاریخ کو اشراق کے بعد ہم سب کنکریاں مارنے چلے تو دیکھا حفیظ شبری کے اوپر (اونٹ پر) بیٹھے ہیں۔ ارے بھائی آؤ کنکریاں نہیں مارو گے کہنے لگے۔ میں تو صبح کی نماز کے بعد ہی مار آیا حالانکہ اشراق سے پہلے بالکل ہی ناجائز ہے، گرچہ قبل زوال مارنا مکروہ ہے۔ مگر معذوروں کو اجازت ہے۔ نماز گنڈے دار ابھی سے پڑھتے ہیں۔ عالم فاضل اپنے کو مانتے ہیں۔ ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں۔ منفت صبح میں جاتی ہیں۔ اگر مل گئی تو بغیر پوچھے کہتی ہیں طواف کو جاتی ہوں گئیں ذرا ادھر ادھر پھریں اور صرف ایک دو چکر مار آئیں۔ میں نے پوچھا آ گئیں۔ کہا اے للا میں تو بچ گئی۔ کیا ہوا؟ ہوا کیا میں پچی جاتی تھیں۔ جب میں چلائی تو دو ایک بدوؤں نے اٹھا کر نکالا اور زمزم پلایا۔ کوئی طواف بھی کیا۔ اے پانچ طواف کرے ہیں (یعنی پانچ چکروں کے پانچ طواف)

۳۰ جون تا ۸ جولائی۔ اس اثناء میں والدہ صاحبہ تو اچھی رہیں مگر خالہ جی صاحبہ پر بہت تکلیف رہی۔ اول بخار کی شدت، دوئم بائیں ہاتھ کی پھنسیوں کی کرب و بے چینی۔ خدا کے فضل و کرم سے بخار تو جاتا رہا مگر کمر پر یعنی وسط پیٹھ پر ادپٹھ صاحب نکل آئے۔ کیا خدا کی شان ہے۔ عجیب و سخت کرب و بے چینی۔ علاج حکیم فضل الرحمٰن خان صاحب رام پور کا ہے۔ نہایت ہی صاحب اخلاق و ذکی آدمی ہیں۔ نیک ہیں۔ انہوں نے ایک تیل تیار کرایا ہے۔ اس کا ضماد ہو رہا ہے۔ تکلیف میں تو کمی ہے لیکن مستورات کی یہ حالت ہے کہ جس دن سے پھنسیاں نکلی ہیں اسی دن سے کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹری علاج کراؤ مگر وہ تو جراح کے (کذا) معتقد ہیں۔ حکیم صاحب نے کی ٹکیا بتائی تو لگائی نہیں کہ تکلیف دے گی اور جب لگائی تو نہ تکلیف دی نہ کچھ ہوا۔ خیر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنا فضل کرے۔ آمین۔ اس وقت سکون ہے۔ اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جو یہاں تک لایا ہے۔ دیکھئے مدینہ منورہ جانا ہوتا ہے یا نہیں۔ حبیب خان صاحب و مقتدی خان صاحب و حکیم صاحب یکم محرم کو جا رہے ہیں۔ اگر ذرا قوت اور آ جائے اور اس پھوڑے کا زور کم ہو جائے تو یقیناً انشاء اللہ و انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ابھی جایا جائے گا ورنہ بعد میں۔ لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ یہاں پر کوئی معتمد طبیب یا ڈاکٹر نہیں ہے۔ سامان تو برابر ہو رہا ہے۔

۱۵ جولائی، پنجشنبہ۔ بحمداللہ پھوڑے میں فرق نمایاں ہے۔ اونٹوں کا کرایہ بھی طے ہوگیا ہے۔ خالہ صاحبہ چند روز میں چلیں گی۔ آج کل روپیہ سولہ قرش کا ہوگیا ہے اور گنی پونے چودہ روپیہ کی۔ سڑکیں خالی رہتی ہیں۔ دوکاندار ابھی سے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہوئے اور بہت جلد وہ دوکانات ختم ہو جاتی ہیں۔ مطاف میں بھی اب بالکل آزادی ہے یعنی بھیڑ نہیں ہے۔ حج کے ایام میں امیر کے والد آئے تھے۔ ان کو طواف امیر نے و برادر امیر نے خود ایک گاڑی میں کرایا۔ لوگوں کو ہٹا دیا گیا۔ اشیاء اب ارزاں ہے۔ یہاں کے کاروبار کی حقیقت اب کھلی۔ آج ہی ارادہ تھا کہ سامان پورا ہوگیا کہ مدینہ منورہ چلیں مگر صدر یار جنگ کا سامان زیادہ ہے اور حمال تیار نہیں ہیں۔ ان کے قول کے مطابق چھ اونٹ لدا ہونے چاہئیں۔ ہم سب تیار ہیں۔ طواف الوداع بھی کر چکے۔ رات کے دس بجے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں جا رہے ہیں۔ خیر چار و ناچار رہنا پڑا۔ اب کل انشاءاللہ جاویں گے۔ خطوط کا یہ انتظام کیا ہے کہ جدہ پہنچ جائیں۔ کل انشاءاللہ بعد جمعہ قریب مغرب روانہ ہوں گے۔

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ بار احسان ہے۔۔۔ قریب مغرب روانہ ہوئے۔ خالہ جی صاحبہ کو سکون کامل ہے لیکن کمزور اتنا ہے کہ یہ بھی مرحلہ ہے کہ سوار کیسے کرائیں۔ اس واسطے کہ وہ اول کمزور دوسرے کم ہمت، تیسرے عمر کا تقاضا بھی ہے۔ خود کھڑی بھی نہیں ہوسکتی۔ پاؤں اٹھتے نہیں ہیں۔ مگر خدا خدا کر کے ان کو تین چار آدمیوں نے پکڑ کر اٹھایا اور بمشکل چڑھایا۔۔۔ میں لٹا دیا اور تب اس کو اونٹ پر کسا۔ بہت آرام سے کٹی۔ نبی ہیں کہ چلاتی آئی۔ ہائے سب سو گئے۔ یہ کیا ہوا وہ کیا ہوا۔ صبح کے اول وقت منزل پر پہنچے۔ یعنی وادیٔ فاطمہ منزل پر جہاں قافلہ ٹھہرا کرتے ہیں۔ چند بلکہ دو چار خراب وخستہ جھونپڑے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ایک دو فرلانگ کے بعد کھجور کے باغات ہیں جہاں پر ترکاری وغیرہ خوب ہوتی ہے۔ سنا ہے کہ یہیں سے ساگ وغیرہ مکہ معظّمہ کو جاتی ہے۔ مٹھا بھی ملا۔ کھجور جو آئیں، وہ خراب تھیں۔ تربوز و خربوزہ نہ مل سکا۔ انڈے بھی ملے۔ فی انڈا ایک قرش۔ پانی نہر کا ہے۔ نہایت شیریں اور ہلکا۔ مکہ معظّمہ سے جو نکلے ہیں پہاڑوں کا برابر سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے راستہ سے میل ادھر اور ایک میل اوپر سے زائد دور کوئی پہاڑ نہیں ملا ہے۔ پہاڑ نہایت بلند مگر صرف پتھر۔ چند ببول کے درخت جو چھوٹے ہوتے ہیں۔ کانٹے زائد پتے کم و چھوٹے۔ ظہر کی نماز کے بعد سے ہی چل چلاؤ کی پکار پڑ گئی کیونکہ اگلی منزل دور ہے۔ آج ہوا تیز اور گرم ہے۔ باد صموم۔ مگر رات خوب سردی تھی۔ ظہر کی نماز پڑھ کر چل دیئے۔ دوپہر کا کھانا کھا شام کے لیے کھچڑی پکا کر رکھی۔ قاعدہ یہ ہے کہ صرف مغرب کی نماز کے لیے رکا کرتے ہیں۔ وہیں پر کھانا جلدی جلدی کھا لیا جاتا ہے کیونکہ ہم کسی قافلہ کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ اپنا ہی قافلہ ہے جس کی وجہ سے اتنا آرام ہے کہ جہاں چاہیں رکا سکتے ہیں اور ہر منزل پر اشیاء بہ آسانی اور نسبتاً اور قافلوں کے ارزاں ملتی ہیں۔۔۔ پہنچے عربی وقت ایک یا ڈیڑھ بجا ہوگا۔ یہ جگہ۔۔۔ آباد شاداب تھیں۔ پہاڑیاں بالکل نزدیک ہیں۔ سنا ہے یہ لوگ حجاج کو تنگ بہت کرتے تھے، لوٹتے تھے و دیگر تکالیف پہنچاتے تھے۔ اب

ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ اب بعض کو معافی دی گئی و نئے ٹکڑونی بسائے گئے ہیں جہاں پر بھی مرغی انڈا، تربوز وخربوزہ، مٹھا بکثرت و بہ آسانی دستیاب ہوسکتا ہے۔ اگر قافلہ بڑا ہے تو ہر منزل پر دنبہ ذبح کر دیا جاتا ہے ورنہ نہیں۔ چار روپیہ کی نہایت عمدہ حلوان بکری مل جاتی ہے اور دنبہ آٹھ سات روپیہ کا بہت اچھا دستیاب ہو جاتا ہے۔ یہاں پر چھ سات کوئیں ہیں مگر ایک کنواں جو بہت بڑا ہے اور پڑاؤ پر ہے۔ یہاں پر حضرت مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوئیں پر لب مبارک ڈالا تھا۔ پانی ہلکا اور میٹھا ہے اور بکثرت ہے۔ اور خدا کی قدرت سے اگلی دو منازل کا پانی اچھا بھی نہیں ہے لہٰذا اکثر بلکہ تمام پانی بھر لیتے ہیں۔ چنانچہ اگلی منازل کے پانی سے واقعی دالیں نہیں گلتی ہیں۔ عصر کے بعد یہاں سے چل دیئے۔

۱۹ جولائی۔ منزل دف۔ اب یہاں سے کسی قدر آبادی اچھی ہوتی جاتی ہے۔ صبح کے وقت پہنچے۔ پانی کسی قدر کھاری مگر بھاری بھی ہے۔ دال بالکل نہیں گلتی۔ لیکن تربوز، خربوز بکثرت ملتے ہیں۔ عصر کے بعد چل دیئے۔

۲۰ جولائی۔ قدیمہ۔ یہاں کا پانی بہت کھاری ہے۔ سمندر یہاں سے دکھلائی دیتا ہے۔ یہاں پر خربوزہ تربوز بکثرت، چوزے بھی بکثرت۔ دو کانات اچھی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں پر حکومت کی طرف سے شیخ رہتا ہے۔ چونکہ اگلی منزل بڑی ہے، ظہر کے بعد چل دیئے۔ اب راستہ سمندر کے کنارے کنارے ہے۔ اکثر زمین مرطوب و گیلی ملی ہے۔ شاید سمندر کا پانی موج کے وقت آتا ہو۔ ہوا میں خنکی ہے۔

۲۱ جولائی۔ رابغ۔ یہاں پر صبح کے وقت پہنچے۔ سمندر کا کنارہ اور یہاں پر بہت بڑا نخلستان ہے۔ یہاں پر ہر چیز دستیاب ہوتی ہے۔ گزشتہ سال جب جدہ میں لڑائی تھی تو سلطان نے بہت سارے حجاج کو بلایا تھا۔ بہت سا سامان مثلاً شفادف وغیرہ پڑے ہوئے ہیں۔ حجاج کے لیے جھونپڑی جو بنی تھیں اب بھی باقی ہیں۔ یہاں پر ترکی قلعہ بھی شریف نے مسمار کر دیا ہے۔ اکثر توپوں کے کچھ حصے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ اکثر حجاج ایسا کرتے ہیں کہ مکہ سے جب چلے تو رابغ تک کا سامان لے لیا اور یہاں سے اور خرید لیا۔ جو مدینہ منورہ تک کافی ہو۔ یہاں پر ایک رات اور دو دن ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اگلی منزل بھی بڑی ہے۔ نخلستان جا کر دیکھا۔ کھجوریں لگی ہوئی ہیں۔ ساگ و ککڑی بدرقہ بوا ہوا ہے۔ تربوز بھی ہے اور خربوزہ تو موجود ہی ہیں۔ غرض مرغی سے لے کر دال تک تمام ضروری اشیاء دستیاب ہوتی ہے۔ سنتے ہیں ترکوں کے زمانہ میں بہت شاداب جگہ تھی۔ دو سال ہوئے جب سیل (رو۔ طغیانی) آئی تھی۔ تمام آبادی کا صفایا کر دیا۔ ان کی قسمت سے گزشتہ سال حجاج کا بندرگاہ ہو گیا تب کچھ مکانات وغیرہ واسباب آ گیا ہے ورنہ یہ نہیں ہوتا اور اس قدر جلد مشکل تھا۔ پچھلی منزل سے مولانا ندیم احمد صاحب کی رائے سے ڈیروں میں رہنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ گرمی کی تپش زیادہ ہوتی ہے بلکہ جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ ٹھنڈ رہتی ہے۔ مستورات کو بھی اسی میں رکھتے ہیں۔ عصر کے وقت چل دیئے۔

۲۳ جولائی۔ مستورہ۔ اب رابغ سے پانی بہتر ہوتا جاتا ہے۔ خنکی بھی بڑھ رہی ہے۔ راستہ

میں ایک راستہ ملا جو مدینہ منورہ کو گیا ہے جو غائر کا راستہ کہلاتا ہے جس سے دو منازل کی کفایت ہے۔مگر پہاڑوں کی چڑھائی بہت ہے۔اونٹوں پر سے اتر کر پیدل چلنا پڑتا ہے۔یہاں پر بھی ہر چیز بہ آسانی ملتی ہے۔

۲۴ جولائی۔بئر شیخ۔رابغ سے چلنے کے بعد یہ اور بڑا مقام ہے۔مگر رابغ سے بہت چھوٹا مگر اوروں سے بڑا۔دوکانیں پختہ۔اب تک راستہ بالکل سنسان کٹا ہے۔اب خالی اونٹ جو حجاج کو ینبوع پہنچا آئے ہیں۔بکثرت مل رہے ہیں۔ہر چیز یہاں پر مل جاتی ہے۔تقریباً اب منازل چھوٹی ہیں۔

۲۵ جولائی۔بیر ابن حسان۔یہاں پر ہم کو پہلا قافلہ واپس ملا ہے جو جدہ کو جا رہا ہے۔یہاں سے حجاج نے دو تین خط لکھ دیئے ہیں۔روپیہ یہاں پر ۱۴ قرش اور تفاریق بیچنے والا اردو لفظ خوردہ بول رہا ہے۔

۲۶ جولائی۔تنوگہ۔یہ منزل اچھی نہیں ہے۔دو پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا ہے۔صرف کنواں ہے۔اور گھاس بیچنے والے بدو۔لیکن اس سنسان اور غیر منقطع ہونے پر بھی مٹھا وگھی ملا اور بکری بھی مل گئی۔

۲۷ جولائی۔وتر۔یہ بھی پہلی جیسی خراب ہے مگر یہاں پر بھی گھی نہایت صاف اور اصلی گھی دس بارہ آنہ کا سیر بھر اور مکھن دار مٹھا ملا۔خالی اونٹ و قافلہ اب برابر مل رہے ہیں۔

۲۸ جولائی۔بئر درویش۔یہ منزل اچھی ہے۔اچھی کیا صرف یہ ہے کہ مشہور ہے اور آخری منزل ہے۔کوئی دوکان نہیں۔صرف چند خانہ بدوش بدو موجود ہوتے ہیں۔یہاں پر بے حد بڑا قریب چار پانچ ہزار اونٹ مدینہ منورہ سے آئے ملے۔بعض ٹھہر رہے بعض منزل عار پر چلے گئے جہاں پر ہم نہیں ٹھہرے۔کمبخت بدوؤں نے پچھلی ایک منزل کی دو منازل کر دیں خواہ مخواہ ورنہ آج مدینہ منورہ میں ہوتے۔انشاءاللہ کل ہوویں گے۔پچھلی بھی بڑی تھی اور یہ بھی بڑی۔ظہر سے پہلے چل دیئے۔قبل صبح مدینہ منورہ کے دیار میں پہنچ گئے۔قریب مغرب کے مفرقات میں پہنچے یعنی مفترحات۔وہ پہاڑیاں ہیں جہاں سے قبہ خضرا شریف نظر آتا ہے۔پرانی آبادی کے نشان بکثرت وخوشحالی کے اوراق پریشاں ہے بیحد۔نصف تکمیل کا اسٹیشن یہی ہے۔خوب عمارت ہے مگر نصف۔آج کل ریل بند ہے بوجہ جنگ وفساد دمشق و شام میں ہونے کی وجہ سے۔صبح داخل شہر مقدس ہوئے۔

اجمالی کیفیت سفر۔آج تیرہ سو برس ہو گئے اسلام کو پھیلے ہوئے لیکن گیارہ سو برس سے یقینی طور پر حکومتیں قائم ہیں۔عظیم الشان سلطنتیں رہ چکی ہیں اور یہ منازل بھی اسی مدت دراز کی ہے ورنہ کم از کم عثمانی سلطنت میں ضرور قائم ہوئیں۔لیکن سوائے چند بدوی جھونپڑوں کے ایک کنوئیں کے وہ بھی بعض جگہ قیام کی جگہ سے بہت دور اور وہاں پر بھی بدوی تسلط جو بغیر پیسے کے پانی بھی نہ کھینچنے دیں۔نہ مسجد نہ سرائے نہ کچھ۔بس یہ کائنات ہے۔حیرت ہے کہ اس اسلامی سرزمین میں سبھی منازل مساجد سے خالی۔صرف

قدیمہ میں مسجد دیکھی وہ خام۔آج کل اعلیٰ درجہ کا امن وامان ہے۔یہ موجودہ حکومت کا احسان عظیم ہے۔ راستہ مولوی ندیم احمد صاحب کی وجہ سے نہایت پر لطف کٹا۔دوئم چونکہ سب اپنے ہی اعزہ واقربا ہیں لہٰذا اور بھی مزے سے کٹا۔حاجی ملا احمد کی مستانہ باتیں، حاجی عبدالحئی کی پر لطف باتیں، حاجی مولوی مقتدیٰ خان صاحب کے چٹکلے اور عمدہ مسخرہ پن اور مولوی ندیم احمد صاحب تو بس روحِ رواں ہیں۔ایک لطف کہیں مولوی صاحب تربوز کے چھلکے اور خربوزے اور کہیں پلاؤ اور کہیں کھچڑی۔غرض عجب لطف سے کٹا جو یقیناً دوسرے قافلہ والوں کو نصیب نہ ہوتا ہوگا۔ایک اور وجہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ قافلہ چھوٹا ہے۔منازل پر صرف ہم ہی خریدنے والے ہیں اور حمال بھی قابو میں ہیں ورنہ قافلہ کے ساتھ رہ کر تو یہ لوگ حکومت کرتے ہیں۔امن کی وجہ سے یہ بھی نصیب ہے ورنہ کون الگ آتا ہے۔

۲۹ جولائی ۲۶ء، پنجشنبہ۔ماشاءاللہ المدینۃ المنورہ علی الصبح پہنچے۔اول کھنڈرات دیکھ کر دل پارہ پارہ ہوگیا۔اس کے بعد اسٹیشن دکھلائی دیا۔واللہ کیا عمارت ہے لیکن آدھی ہے۔پوری اسکیم مکمل نہ ہو سکی۔آج کل ریل شام کی جنگ کی وجہ سے بند ہے۔عمارتیں صاف اور بلند۔راستہ میں مسجد عمامہ دیکھی جہاں عہد عثمانیہ میں عیدین کی نماز ہوتی تھیں۔مولوی ندیم احمد صاحب کے مکان میں اترے حرم شریف کا باب السلام دور سے نظر پڑتا ہے۔خالہ صاحبہ کو پہنچا کر وغسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ظہر کے وقت حاضری میں باریاب ہوسکا۔عجب سماں تھا۔حرم شریف ہے کہ سلاطین عثمانی نے دلہن بنا رکھا ہے۔کیا کیا کام ہیں کہ دیکھتے دیکھتے دل بھی نہیں بھرتا وہ وہ بڑے، سبک، حسین فانوس وجھاڑ ٹنگے ہوئے کہ اگر ہزار برس جیتے تو نہ دیکھتے۔دیکھنے کی چیزیں حرم شریف کی عمارت خود اندر وباہر نہایت سبک طور پر مضبوط وصاف بنی ہوئی ہے۔بادامی رنگ ہے۔سونے کا جابجا کام ہے۔جمعہ کے دن شام کو جنت البقیع کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھ کر دل لرز گیا۔قبہ ڈھا دیئے گئے ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کو کھود کر اچھی طرح مسمار کر دیا گیا ہے۔ قبہ ازواج مطہرات کو توڑا گیا ہے۔قبہ اہل بیت توڑ کر مزارات کو صدمہ پہنچایا ہے اور ایسے ہی کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہل چلا دیا ہے۔شنبہ کے دن عشراق کی نماز مسجد قبا میں پڑھی۔شنبہ کے دن زیارت مستحب ہے اور عمرہ کا ثواب ہے۔یہیں پر کھجور بلاتخم ہے اور کنواں بیرارلیس ہے جس کو بیر خاتم بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں انگوٹھی خلافت جو کہتے ہیں ڈھیلی تھی گر پڑی اور پانی اُبلنے لگا اور پھر نہ مل سکی اور اس کنوئیں کا پانی پہلے کھاری تھا۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے پانی کھچوا کر چکھا اور لب دہن مبارک ڈال دیا۔پانی میٹھا ہے اور اس قدر ہے کہ تمام مدینہ منورہ وحوالی مدینہ میں نہر کے ذریعہ سے جاری ہے۔ یہاں پر کھجوروں کے سایہ میں ناشتہ کیا۔عجب لطف رہا۔۸ بجے تک گھر واپس ہو گئے۔اس کے بعد ہیر جا پر گئے۔اس دن سر میں درد تھا۔چنگل میں پانی بھر کر پیا اور وہی سر و چہرہ سے لگا لیا۔فوراً درد بند ہو گیا۔ کہتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بستان تھا۔اب آبادی ہے اور اس کے مکان کے گوشہ میں آ گیا ہے جو کسی ترکی پاشا کا تھا۔ویسے بہت بڑا ہے۔اس کے سامنے مدرسہ بخارہ ہے جو امیر

بخارہ نے بنوایا تھا۔ یہ باغ ابوطلحہ کا تھا۔ اسی دن جنت البقیع کے سامنے ہو کر گئے۔ بقیع کے دروازہ کے برابر ہی حضرت عباس کا کنواں ہے اور مسجد ہے۔ زوارین ہے جو بقیع میں ہے اور حضرت عباس کی ملکیت میں شامل ہے جس میں حضرت مقبول اکثر نماز پڑھے۔ اس کے بعد صحابہ اکرامؓ کے باغات دیکھے جس میں کھجور و بار دنگ وغیرہ بوتے تھے۔ بار دنگ گھی و گوشت کا کام دیتی تھی۔ اس کے بعد بیر بقہ گئے جو ایک میل کے فاصلہ پر باغ میں ہے۔ بڑا کنواں ہے۔ کنواں عہد یہود کے زمانہ کا ہے۔ یہیں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور دروازہ بند کر دیا تھا کہ اتنے میں حضرت صدیق تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باغباں سے فرمایا کہ جنت کی بشارت دو اور آنے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں کے پارچہ میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ حضرت صدیقؓ بھی پاس بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر تشریف لائے۔ اسی طرح ان کو بھی بلایا اور وہ بھی پاس بیٹھ گئے۔ اب پارچہ میں جگہ نہ رہی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ تشریف لائے۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد باغباں سے فرمایا کہ جنت کی بشارت دو اس آنے والی مصیبت کے صلہ میں یعنی شہادت اور آنے دو۔ آپ تشریف لائے اور الگ بیٹھ گئے کیونکہ پارچہ میں جگہ نہ تھی۔ آج بھی وہی ہے یعنی دونوں یار خدمت میں ہیں اور وہ دور بقیع میں ہیں۔ پانی شیریں ہے کسی قدر کھاری ہے لیکن صاف ہے۔ باغ اچھا ہے۔ جب وہاں سے لوٹے تو اس سڑک پر جو نیم کشیدہ ہے جس کو ترک نہ بنا سکے تھے اور قبہ کو جاتی ہے شہر پناہ کے قریب گھورا (ٹیلا کوڑا کرکٹ) پڑا ہے۔ اسی جگہ یہود ن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ پر سحر کیا تھا اور سورۃ ناس اس کے اتارنے کے لیے اتری تھی۔ اب اس وقت سے لے کر اس وقت تک گھورا پڑ رہا ہے لیکن برابر۔۔۔ رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قریب ہفتہ عشرہ سے پڑنا شروع ہوا ہے۔ تمام مکانات گرے پڑے ہوئے ہیں۔ گولوں کے نشان اب تک بنے ہوئے ہیں۔

جمعرات ۵ اگست کو زیارت سیدنا حمزہؓ گئے۔ راستہ میں German Military Flexibele Wireless Telegraph دیکھا۔ یہ فخری پاشا نے لگوایا تھا جب وہ گورنر تھے اور تمام اطراف میں اور شہر میں پانی کے نل لگوائے تھے۔ اول باغات پڑتے ہیں اس کے بعد دامن جبل احد میں مسجد و مزار سیدنا حمزہؓ ہے۔ انہیں کے مزار کے متصل ایک اور صحابی کا مزار ہے۔ ان کا صرف قبہ جو عالیشان ہوگا، ڈھا دیا ہے اور مزار کو چھوڑ دیا ہے اور مسجد کو مزار سے الگ کر دیا ہے۔ دیوار لگا کر اسی کے قریب ایک طرف شہدا جنگ احد کے دو جگہ پر مزارات ہیں جو سفیدی کی ہوئی چہار دیواری سے محصور ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر مزار دندان مبارک ہے۔ اس پر بھی قبہ تھا لیکن توڑ ڈالا گیا ہے۔ آگے بڑھئے تو جبل احد ہے۔ یہاں پر سامنے ایک کھوہ ہے جہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو چھپایا تھا۔ جبل احد پر ایک پتھر کی باؤلی ہے۔ یہاں پر بارش کا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے۔ اسی دن بیر بضاعہ پر گئے جو باب شامی کے قریب ہے۔ یہاں پر نہاتے ہیں اور امراض ظاہری و باطنی سے شفا پاتے ہیں۔ پانی صاف و شفاف ہے

ولیکن کسی قدر تنکبر اہے۔شنبہ کے دن بیرعثمایا روما گئے۔ یہ یہودی کا تھا اور مدینہ میں پانی کی قلت تھی۔ حضرت عثمانؓ نے زرکثیر سے خریدا اور وقف کر دیا۔ جاتے وقت باب شامی سے گئے اور میدان جنگ احزاب یا خندق دیکھا اور اکثر تمام تر لڑائیاں اسی میدان میں ہوئی ہیں۔اس جگہ پر جہاں کنواں ہے میدان عقیق کہلاتا ہے کیونکہ جب دولت کی کثرت ہوئی تو امرانے یہاں پر قصرات بنانے شروع کئے۔ اب صرف ابن العاس کے قصر کے نشانات باقی ہیں۔ یہاں پر زہرمہرہ کثرت سے ملتا ہے ولیکن شناخت کی ضرورت ہے۔حبیب خان صاحب کو و مجھ کو بہترین زہرمہرہ ملا۔اسی کے قریب مسجد قبلتین ہے جہاں پر حکم تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا تھا۔ جماعت ہورہی تھی اور رکوع کی حالت میں حکم نازل ہوا۔آپ فوراً پھرے۔ آپ کے ساتھ صحابہ عشرہ مبشرہ بھی پھر گئے۔ کچھ نے سکون کیا اور پھر گئے۔ باقی بدستور رہے۔اس کے قریب کنواں ہے جہاں پر قد آدم ایک آکھ کا پیڑ ہے۔ واپسی میں خمسہ مساجد کی زیارت کی۔مسجد صدیق بڑی ہے اور اس کے نیچے بارش کا پانی اکٹھا ہوتا ہے۔مسجد عمر اس کے پیچھے ہے۔اس کے پیچھے مسجد علی ہے اور مسجد صدیق کے سامنے پہاڑی پر مسجد انافتحنا ہے جہاں پر سورۃ مذکور نازل ہوئی اور یہیں پر آنحضرت جنگ احزاب کی حالت میں قیام فرمائے تھے۔اس مسجد کے نیچے مسجد سلمان فارسی کی مسجد جنہوں نے خندق کھدوانے کی رائے دی تھی کیونکہ ایران میں مدافعت کا ایک یہ بھی طریقہ تھا اور جیسا کہ اب بھی ہے اور Trenches سے موسوم کہلاتی ہے۔

۶/اگست۔شام کے وقت عبدالحئ خان،مقتدیٰ خان،حبیب خان و ملا جی و مولوی ندیم احمد و علی کابلی صاحبان ٹہلنے نکلے۔حراج میں سے نکلتے ہوئے اسٹیشن کی طرف نکل گئے۔نائب گورنر مدینہ کے مکان پر پہنچے۔اس کا لڑکا موجود تھا۔اس نے فوراً ٹیلی فون باپ کو دے دیا۔وہ بھی آ گئے۔گھوڑوں کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔اس کے بعد انہوں نے حبیب خان صاحب سے پوچھا کہ آپ کے یہاں کتنی شادیاں کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ایک۔ پھر پوچھا کہ اگر بیوی بڑھیا ہو جائے، بیمار ہو جائے تو؟ جواب میں کہا کہ صبر کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ صاحب ہم سے تو اس معاملے میں صبر نہیں ہوسکتا ہے۔

۱۱/اگست۔ایک مدرسہ ہے جہاں پر ایک بچے نے جو مہتمم حرم کا لڑکا ہے،سورہ اخلاص ختم کی تھی۔اللہ ہوا کبر وہ خوشی۔ بچے پہلے روضہ مبارک پر جا کر ایسے موقعوں پر قصائد پڑھا کرتے تھے لیکن اب ممانعت ہوگئی ہے۔ بچے مدرسہ جارہے تھے۔ڈبل لائن میں پوشاکیں نہایت زرق و برق۔غرض وہاں گئے اور قصائد سنے۔وہاں پر چار حافظ بتلا کے گئے جن کی عمر نو دس سال سے زائد نہ ہوگی۔ایک کی تو پانچ چھ سال کی ہوگی۔لہجہ کس قدر پاکیزہ وعمدہ ہے۔

۱۲/اگست۔ بعد مغرب حضرت سید حسن میر زنجی کے مکان پر دعوت تھی۔ یہ مکان امام حسن عسکری کا تھا اور یہ گلی حسنین کہلاتی ہے زرقہ حسنین۔کھانا کیا بتاؤں کہ ایک بڑی سینی میں پلاؤ آیا دنبہ کا ثابت سروران ودست تھا وبس اور خربوزہ وتربوز تھا و میٹھے پراٹھے تھے۔خوب نوچ نوچ کر کھایا۔اب خالہ

صاحبہ کی بحمداللہ طبیعت اچھی ہے۔زخم بھی اچھا ہے۔پھنسیاں اچھی ہورہی ہیں۔اُبکائیوں کی شکایت ہوگئی ہے۔بعض وقت البتہ زیادہ ہوتی ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ صرف کھانے پر آتی ہیں ورنہ وہم ہے کہ ہائے نہ معلوم اب خدانخواستہ کیا سے کیا ہوجائے گا۔یہ شکایت جگر میں رطوبت وریاح کی وجہ سے ہوگئی ہے۔کسی قدر پاؤں اور ہاتھ پر ورم بھی ہے۔

آج جو قافلہ آیا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ وہ دس محرم کو حرم مکہ مقفل رہا اور داخلی عام جو ہوا کرتی ہیں وہ موقوف کردی گئی اور نیاز وفاتحہ کو بھی بند کردیا گیا ہے۔یہ قافلہ طائف بھی گیا تھا۔کہتے ہیں کہ راستہ خراب کردیئے گئے ہیں۔اونٹ گرتے ہیں اور وہاں پر سوائے پھلوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔یہاں کا سبحان اللہ پانی، کھجور، شہد، گوشت وگھی برسوں یاد رہے گا۔

۱۴/اگست کو مسجد جمعہ بیرعین وبیرغریض کی زیارت کی۔مسجد الجمعہ قبا جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے۔یہیں نئے مدینہ منورہ یعنی موجودہ کو آتے ہوئے جمعہ فرض کیا گیا۔پس پہلا جمعہ وہیں ہوا چونکہ جمعہ کا دن تھا لہٰذا وہیں پر پہلی جمعہ کی نماز وہیں پر پڑھی۔

بیرعین مسجد قبا سے آدھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ایک باغ میں ہیں گدھا واونٹ وبیل کی پر چل رہی تھی۔وہاں سے ایک باغ میں ناشتہ کرنے کو گئے جو شریف شہادکا ہے۔شریف شہاد شاید شریف حسین کے ساتھ بغداد میں ہے۔باغ نہایت سرسبز وشاداب اور ہر ممکن ترکاری اور پھل موجود۔کھجور بھی نہایت اعلیٰ قسم کی موجود تھیں۔انار بے نظیر اور بڑے۔انگوروں کا ایک پورا قطعہ تھا جس کو نجدیوں نے شرک کہہ کر کاٹ ڈالا۔ان کے اوپر بقیع کا بہت اثر ہے۔یہ امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہیں۔

بیرغریض وہی کنواں ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے وصیت کی تھی کہ بعد وفات غسل کے لیے پانی سات مشکوں میں منہ بند بیرغریض سے لانا۔یہاں پر بدوؤں نے قہوہ، کھجور کھلائی۔یہ بھی امام حسین کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے (شہید) رشتہ دار ہیں۔

از ۱۵/اگست تا ۱۲ ستمبر۔حالت خالہ صاحبہ۔سفر جدہ۔طوفان قدیمہ،۔۔۔جدہ، حالت خالہ صاحبہ، جہاز، حالت خالہ صاحبہ۔عرض—فقراء جہاز۔

بحمداللہ خالہ صاحب کو بھوک لگنے لگی ہے اور چلنے بھی لگی ہیں۔لیکن خواہشات بڑھ گئی ہیں۔یہ بھی چکھتی ہیں اور وہ بھی۔غرض ہر چیز چکھتی ہیں۔خوراک تو ہے ایک پھلکے کی لیکن چکھنا کس میں شامل کیا جاوے۔

جدے کی تیاریاں ہورہی ہیں اور چل دیئے۔بحمداللہ سب خیریت ہے۔قافلہ خوب بڑا ہوگیا ہے۔حکیم صاحب سہارنپوری، حبیب گنج والے وہم مل کر سو اونٹوں کا قافلہ ہوگیا ہے۔خوب لطف کے ساتھ سفر ہے۔پانی خراب مل رہا ہے۔اول یہ وجہ ہے کہ مدینہ منورہ کا پانی منہ کو لگ رہا ہے۔وہاں کے پانی کی کیا تعریف کی جائے۔

خالہ صاحبہ کی طبیعت پھر گر گئی ہے۔ ابکائیاں زیادہ ہوگئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس وقت ذرا سی بھی بھوک معلوم ہوئی کچھ چکھ لیا تا کہ قوت آئے۔ اوقات کچھ نہیں پانی الا مان الحفیظ۔ والدہ صاحبہ نے حلوہ وغیرہ بھی ضرور چکھایا ہے۔ واپسی میں قدیمہ منزل پر اس زور کا ہوائی طوفان تھا کہ خدا کی پناہ۔ مگر بوجہ پہاڑی ملک ہونے کے ریت نہیں اڑتا، صرف کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ طوفان اتنے زور کا تھا کہ حمال تک ہچکچاتے بجائے اس کے کہ ۳ بجے شام کے چلنے کا وہ تقاضا کرتے ہم نے تقاضا کیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ بار شکر اور احسان ہے کہ جدہ پہنچے یعنی ۲۹ اگست کو آج جہاز آنے کی تاریخ ہے۔ مدینہ منورہ سے اگر میں زور نہ دیتا تو اور رہنا ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں پر جتنے دن رہنا ہو سبحان اللہ مگر ضروریات زندگی مجبور کرتی ہے۔ طوفان بعد کراچی۔